

یادگار حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ
لکھنؤ

شمارہ نمبر ۵

جلد نمبر ۶۳

مئی ۲۰۱۹ء
May 2019

سالانہ زرتعاون

برائے ہندوستان : ۳۰۰ روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۳۰ روپے کی ڈالر

نی شمارہ : ۳۰ روپے

لائف ٹائم خریداری : ۸۰۰۰ روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، تاکہ درست خریداری کے نام ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری نام ہوئے ہی عدم ارسال فرمائیں۔ (نمبر)

ایڈیٹر

محمد جعفر حسنی

مجلس ادارت

عائشہ حسنی

میمونہ حسنی

محمود حسن حسنی

جعفر مسعود حسنی

ذراقت ہر RIZWAN MONTHLY لکھنؤ

ذراقتوں اور خط و کتابت کا پتہ

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin: 226018- Mobile: 9415911511

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گون روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد جعفر حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی صاحب مدظلہ کے لیے نظامی اسٹیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

فہرست مضامین



- 5 اپنی بہنوں سے مدد
- 6 حدیث کی روشنی میں امدت اللہ تسنیم
- 8 خاندانی نظام کا بکھراؤ اور اس کے مضر اثرات مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
- 13 خوشگوار زندگی اور قابل رشک موت سید محمود حسن حسنی ندوی
- 18 عصمت کی حفاظت پر جنت کی ضمانت مفتی محمد عبداللہ قاسمی
- 21 دلداری کا نمونہ چھوٹے ابا مرحوم سید مسعود حسن حسنی ندوی
- 23 ایمان بالموت ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمن العریفی
- 26 اولاد کی تربیت کیسے کریں؟ ام عبداللہ
- 28 ایک مثالی زندگی مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی
- 29 ایسا کہاں سے لاؤں تجھ سا کہوں جسے ابوالحسن علی فاروقی
- 30 کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے قدسیہ صباحت، جامعۃ البنات حیدرآباد
- 32 چھوٹے ابا کی شخصیت کے چند نمایاں پہلو سید منصور حسن حسنی ندوی
- 34 سوال و جواب مفتی راشد حسین ندوی
- 35 میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟
- 40 آخری صفحہ مولانا قمر الزماں ندوی



اپنی بہنوں سے

جب یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تو رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو چکا ہوگا ان مبارک دنوں میں ہماری بہنیں اور بھائی پوری تہیہ کے ساتھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے عبادت و تلاوت، ذکر اور دیگر نیک کاموں میں مشغول ہوں گے۔ خاص طور پر اپنے غریب مسلمان بہن اور بھائی کی مدد اور ان کو بھی رمضان المبارک کی برکتوں میں شریک کرانے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں صدقات و خیرات اور مستحق لوگوں کے ساتھ حسن سلوک میں بہت زیادہ معروف ہو جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور دریادگی کی مثال دی جاتی تھی۔ صدقات و خیرات اور غریبوں، محتاجوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے میں ہوا سے بھی تیز ہو جاتے تھے کوئی بھی شخص آپ کے مبارک در سے خالی ہاتھ نہ واپس ہوتا۔ رمضان المبارک نمکساری کا مہینہ بھی کہا جاتا ہے صحیح طور پر اس مبارک مہینہ کو گزارنے کے لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی کمائی سے اپنے کمزور بہن بھائیوں کی زیادہ سے زیادہ مدد کریں۔ اور اپنے دن رات کا زیادہ حصہ تلاوت قرآن مجید، ذکر الہی، اور نفل نمازوں کی ادائیگی میں گزاریں۔ پورے سال تو ہم اپنے کاموں میں اور خاص کر ان کاموں میں گزارتے ہیں جن کا تعلق دنیاوی امور سے ہوتا ہے تجارت میں، ملازمت میں یا گھریلو کاموں کو انجام دینے میں ہی ہمارا اکثر وقت گزرتا ہے، اب سال میں ایک مہینہ ایسا آتا ہے جس کا تعلق ہمارے دین سے ہے اور اس مبارک مہینہ میں اعمال حسنہ کا اتنا زیادہ ثواب اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جو ہمارے تصور سے بھی زیادہ ہے۔

احادیث نبوی کا خاص طور پر مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ اس کی برکتیں بھی ہمیں حاصل ہوں اور ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا علم ہو۔ اور پھر ہم صحیح راستہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکیں۔

رمضان المبارک کے جو چند روزہ گئے ہیں ان کی قدر کریں اور ان کو ضائع ہونے سے بچائیں اور کوشش کریں کہ ہم بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے مقبول بندوں میں شمار ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مستحق ہو جائیں۔



حلقہ باندھ کر ذکر کرنے کی فصیلت کا بیان

اللہ تعالیٰ: اور وہ پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں؟
فرشتے: پروردگار دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ: کیا انہوں نے اس کو دیکھا ہے؟
فرشتے: اے رب آپ ہی کی قسم انہوں
نے دوزخ نہیں دیکھی۔

اللہ تعالیٰ: اگر وہ دوزخ دیکھ لیں تو کیا حال
ہو؟

فرشتے: پروردگار اگر وہ دوزخ دیکھ لیں تو
اس کے تصور سے کانپ جائیں اور اس سے
دور رہنے کی سجدہ کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ: اے فرشتو تم گواہ رہنا کہ میں
نے ان کو بخش دیا۔

فرشتے: اے پروردگار ان میں تو ایک شخص
ایسا بھی ہے جو ان کا ہم نشین نہیں ہے بلکہ اس
کو دنیا کی کوئی غرض ان تک لائی تھی۔

اللہ تعالیٰ: میرے ان بندوں (یعنی ان
کے پاس بیٹھنے کی برکت سے وہ بخشا گیا۔

اگر چہ وہ ذکر نہ تھا اس کا مشاہدہ اس دنیا میں
بھی ہو جاتا ہے کہ ایک دوست کے اعزاز

کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھی کا بھی اعزاز کیا
جاتا ہے) کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں

ہو سکتا۔ (بخاری۔ مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،
فرشتے اہل ذکر کی مجلس کی تلاش میں رہتے

ہیں اور جہاں کہیں ان کا پتہ لگ جاتا ہے تو
ان کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور ان پر اپنے ہر

پھیلا دیتے ہیں اور اس قدر فرشتے جمع

فرشتے: نہیں پروردگار انہوں نے آپ کو
نہیں دیکھا۔

اللہ تعالیٰ: اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو کیا کریں۔
فرشتے: پروردگار اگر وہ آپ کو دیکھ لیں تو

شدت سے آپ کی عبادت کریں اور اپنا پورا
وقت آپ ہی کی تعریف تسبیح و تہلیل، تکبیر و تہمید

میں گزاریں۔

اللہ تعالیٰ: اچھا تو یہ بتاؤ وہ مجھ سے سوال
کس چیز کا کرتے ہیں؟

فرشتے: پروردگار وہ آپ سے جنت کا
سوال کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ: کیا میرے بندوں نے جنت
دیکھی ہے؟

فرشتے: آپ ہی کی قسم اے رب انہوں
نے جنت نہیں دیکھی۔

اللہ تعالیٰ: اگر میرے بندے جنت دیکھ
لیں تو کیا کریں؟

فرشتے: پروردگار اگر وہ جنت دیکھ لیں تو
ہمارا خیال ہے کہ ان کو جنت کی حرص و طلب

پیدا ہو جائے اور اس کی خواہش میں بے خود
ہو جائیں۔

ذکر کسی مجالس سے متعلق
فرشتوں کا مکالمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فرشتے اہل ذکر کی مجلسوں کی تلاش میں رہتے
ہیں اور جب ایسی مجلس پا جاتے ہیں تو اپنے

ساتھیوں کو آواز دیتے ہیں **هَلُمَّوا هَلُمَّوا**
إِلَى حَاجَتِكُمْ یعنی یہاں آؤ یہاں آؤ

یہاں آؤ جس کی تلاش تھی وہ یہاں موجود
ہے پس فرشتے چاروں طرف سے سمٹ کر

آ جاتے ہیں اور اپنے پروں سے اہل مجلس کو
ڈھانپ لیتے ہیں اور آسمان دنیا تک چھا

جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ملائکہ سے سوال
(حالانکہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے لیکن اپنے بندوں

کی شان بندگی اپنے فرشتوں کی زبان سے سننا
چاہتا ہے) فرماتا ہے، اے فرشتو! تم میرے

بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟
فرشتے: پروردگار آپ کی تسبیح، تکبیر، تہمید و

تہلیل میں مشغول تھے۔
اللہ تعالیٰ: کیا میرے بندوں نے مجھ کو دیکھا

ہے جو میری تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

ہو جاتے ہیں کہ زمین و آسمان کا بیچ کا سارا حصہ ان سے بھر جاتا ہے۔ پھر جب وہ لوگ ذکر سے فراغت پا کر اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں تو فرشتے آسمان پر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے سوال فرماتا ہے، اے فرشتو تم کہاں سے آرہے ہو۔

فرشتے : پروردگار ہم آپ کے بندوں کے پاس سے آرہے ہیں وہ آپ کی تسبیح و تکبیر، تہلیل و تہمید میں مشغول تھے اور آپ سے سوال بھی کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ : وہ مجھ سے کس چیز کا سوال کرتے ہیں؟

فرشتے : وہ آپ سے جنت مانگتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ : کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟
فرشتے : نہیں پروردگار انہوں نے جنت نہیں دیکھی۔

اللہ تعالیٰ : اگر وہ جنت دیکھ لیں تو کیا کریں؟
فرشتے : اور وہ آپ سے پناہ مانگتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ : کس چیز سے زیادہ پناہ مانگتے ہیں؟
فرشتے : آگ سے۔

اللہ تعالیٰ : کیا انہوں نے میری آگ کو دیکھا ہے؟

فرشتے : نہیں اے میرے رب انہوں نے آپ کی آگ کو نہیں دیکھا۔

اللہ تعالیٰ : اگر وہ میری آگ دیکھ لیں تو کیا حال ہو؟

فرشتے : پھر تو وہ بہت زیادہ آپ سے بخشش کے طلب گار ہوں۔

اللہ تعالیٰ : میں نے ان کو بخش دیا اور ان کی

منہ مانگی مراد حطا فرمائیں اور جس چیز سے پناہ مانگی میں نے دی۔

فرشتے : اے پروردگار ان میں فلاں بندہ بڑا گنہگار ہے جو اس راستہ سے گزر رہا تھا ان کو دیکھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔

اللہ تعالیٰ : میں نے اس کو بھی بخشا وہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہو سکتا۔

صحابہ ذکور کی فضیلت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ اللہ کے ذکر کے لئے کسی جگہ بیٹھ جاتے ہیں تو فرشتے ان پر اپنے بازو پھیلا دیتے ہیں رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکونت اترتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنی مجلس میں فرماتا ہے۔ (یعنی فرشتوں کے جلسہ میں) (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حارث بن عوف سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور اصحاب بھی بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں تمہن آدمی آئے دو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک چلا گیا۔ ایک ان میں سے حلقہ میں خالی جگہ دیکھ کر بیٹھ گیا اور دوسرا لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا۔ تیسرا بیٹھ بھیر کر چلا گیا۔ حضور جب اپنے کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا میں ان تینوں آدمیوں کی حالت بتا دوں۔ ایک نے اللہ کے قریب ہونا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے قریب کر لیا،

دوسرا شرمایا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے شرمایا۔ تیسرا نے منہ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں ایک جماعت کے پاس پہنچے جو حلقہ باندھے بیٹھی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ انہوں نے کہا ہم اللہ کے ذکر کے لئے بیٹھے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم کھاؤ کہ ہم اسی لئے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم اللہ ہی کے ذکر کے لئے بیٹھے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے تم کو جھوٹا سمجھ کر قسم نہیں دلائی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک مرتبہ اپنے صحابہ کو حلقہ باندھے بیٹھے دیکھ کر یوں ہی قسم دلا کر پوچھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی مجلس میں تشریف لائے اور فرمایا تم یہاں کیسے بیٹھے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اللہ کے ذکر کے لئے بیٹھے ہیں کہ ہم اس کو یاد کریں اور اس نے ہم کو اسلام کی توفیق دے کر جو احسان کیا ہے اس کا شکر ادا کریں۔ آپ نے ارشاد فرمایا قسم کھاؤ کہ تم اسی لئے بیٹھے ہو۔ انہوں نے عرض کیا واللہ ہم اسی لئے بیٹھے ہیں آپ نے فرمایا تم کو قسم کسی بدگمانی کی وجہ سے نہیں دی بلکہ ابھی جبرئیل آئے اور مجھ کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتا ہے۔ (مسلم)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

خاندانی نظام کا بکھراؤ اور اس کے مضر اثرات

پچھلی، جذبات میں اعتدال، فکر میں گہرائی وغیرہ کے لئے بھی سالہا سال مطلوب ہوتے ہیں، اس لئے وہ طویل عرصہ تک اپنے والدین کا، بزرگوں اور دوستوں کا، اساتذہ اور مربیوں کا، بہتر مشورہ دینے والے اور یہی خواہی کا جذبہ رکھنے والے رہنماؤں کا محتاج ہوتا ہے۔

اسی لئے انسان کو سب سے زیادہ خاندان کی ضرورت پڑتی ہے، اگر ماں باپ کا سایہ اس کے سر سے اٹھ جائے تو وہ ایک خزاں رسیدہ درخت کی طرح اپنے آپ کو بے سایہ اور بے سہارا محسوس کرتا ہے، اگر وہ بھائی بہن سے محروم ہے تب بھی اسے اپنی تنہائی کا احساس ہوتا ہے۔ اگر کچھ اور بزرگ رشتہ دار۔ دادا، دادی اور نانا، نانی۔ نہ ہوں تو وہ غیر معمولی غلامحسوس کرتا ہے، اگر چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ سے محروم ہو تو اسے لگتا ہے کہ جیسے اس کے ارد گرد اپنے خاندان کا حفاظتی حصار موجود نہیں ہے، پھر جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد جب تک شریک حیات کا ساتھ حاصل نہ ہو جائے، اس کی زندگی بے سکون اور نا آسودہ ہوتی ہے، اب آگے خود اس کے گھر میں پھول کھلتے ہیں اور وہ صاحب اولاد ہوتا ہے تو اس سے غیر معمولی نفسیاتی مسرت اسے حاصل ہوتی ہے اور بیٹوں اور بیٹیوں کے بغیر اسے اپنی تنگ و دو اور جدوجہد بے معنی اور بے مقصد نظر آتی ہے،

کرتا ہے، ہر صبح جب طلوع ہوتی ہے تو کائنات کی چھپی ہوئی حقیقتوں کے انکشافات اور نئے نئے آلات کے اختراع میں انسان کی فتح مندی کا مژدہ سناتی ہے: لیکن جہاں اس کی عقل و دانش کی سحر طرازیوں کے آگے کائنات دم بخود ہے، وہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ جسمانی اعتبار سے بے حد کمزور، نحیف اور محتاج و ضرورت مند ہے، دنیا میں جتنے جاندار ہیں، وہ بمقابلہ نومولود انسان کے جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے ہیں، بعض جانور چند گھنٹوں میں پلنے پھرنے لگتے ہیں اور اپنی غذائی ضرورت خود پوری کر لیتے ہیں، بعض چند دنوں میں اور بعض چند مہینوں میں، لیکن انسان کو صرف آکھ کھولنے میں کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں، مہینوں میں وہ بولنا شروع کرتا ہے اور سالوں میں چلنا پھرنا، بلوغ و شباب کی منزل کو پہنچنے میں اسے پندرہ سولہ سال لگ جاتے ہیں، پھر شعور کی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین تخلیقی ڈھانچے سے نوازا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِى أَحْسَن تَقْوِيمٍ (التین: ۴) اور اس کو شرافت و کرامت کا تاج پہنایا ہے: وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ۔ (الاسراء: ۷۰) اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی توقیر و تکریم کا اوج کمال یہ ہے کہ اسے فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا اور شیطان کو صرف اسی لئے عالم بالا سے اتار پھینکا گیا کہ اس نے انسان کو حقیر سمجھ کر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ کے حکم سے سرتابی کی راہ اختیار کی (البقرہ: ۳۴، الاعراف: ۱۱، الاسراء: ۶۱، الکہف: ۵۰، طہ: ۱۱۶) اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر یہ احسان بھی کیا ہے کہ اس کو قوتِ تخیر سے نوازا ہے، وہ سمندر کی تہوں کو ٹٹول رہا ہے، وہ حد نظر سے دور سیاروں پر اپنی کندیں پھینک رہا ہے، وہ ہوا کے دوش اور سمندر کی متلاطم موجوں کی پشت پر سوار ہو کر ہزاروں میل کا سفر طے

پھر سرسالی خاندان کے ذریعہ وہ اپنے آپ میں مزید توانائی محسوس کرتا ہے، غرض کہ انسان کی فطرت چاہتی ہے کہ وہ ایک خاندان کا حصہ بن کر رہے۔

خاندان کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ وہ اس کے لئے حفاظتی حصار ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اس پر زیادتی کرے تو انسان یہ سمجھ کر اپنا دفاع کرتا ہے کہ اس کی پشت پر اس کا پورا خاندان ہے اور خود زیادتی کرنے والے کو بھی یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمیں تمہا ایک شخص کا نہیں، بلکہ پورے خاندان کا مقابلہ کرنا ہوگا، اسی لئے شریعت نے قتل کی دیت (خون بہا) قاتل کے قریب ترین رشتہ داروں کے ذمہ رکھی ہے، جس کو ”عاقلہ“ کہا جاتا ہے، تاکہ ایک طرف قاتل پر عائد ہونے والی اس بڑی مالی سزا کو رشتہ داروں پر تقسیم کر دیا جائے اور وہ اس کے لئے قابل برداشت ہو سکے، دوسری طرف جو اعزہ و اقارب ہیں، وہ بھی محسوس کریں کہ اپنے خاندان کے ایک فرد کو جرم سے باز رکھنے کے لئے سبھی ذمہ دار ہیں، ورنہ جرمانہ میں ہمیں بھی شریک ہونا پڑے گا، اسلام سے پہلے عربوں میں یہ خاندانی نظام ہی تھا، جس کے ذریعہ لوگوں کا تحفظ ہوتا تھا، اور آج بھی قبائلی علاقوں میں یہی نظام لوگوں کی جان و مال کا محافظ ہے۔

خاندان کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے کمزوروں، غریبوں، معذوروں،

بوڑھوں، یتیموں، بیواؤں اور خواتین کی کفالت کا نظم ہوجاتا ہے، کیونکہ ہر شخص اپنے خاندان کے مجبور و نادار لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے، والدین کو اولاد کی اور اولاد کو والدین کی، شوہر و بیوی، بھائیوں، بہنوں کی ایک دوسرے کو، اسی طرح خاندان کے نادار اور بے سہارا لوگوں کی خاندان کے مرفہ الحال لوگوں کو ذمہ داری سونپی جاتی ہے، اسلام میں فقہ، کفالت اور میراث کے پورے قانون کی اساس یہی ہے کہ انسان پر صرف اسی کی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ وہ خاندان کا ایک حصہ ہے، وہ ایک کل کا جزو اور ایک عمارت کی اینٹ ہے، اس کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ دوسروں سے بالکل بے تعلق ہوجائے۔

خاندان کا تیسرا اہم مقصد خوشی اور مسرت کو دوبالا کرنا اور مصائب و آلام کو تقسیم کرنا اور ہلکا کرنا ہے، کتنی بھی خوشی کی بات ہو جائے، اگر اس خوشی میں ماں باپ کی شرکت نہ ہو تو یہ خوشی ادھوری، ناقص اور بے کیف معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اگر انسان پر کوئی مصیبت آئے، اس کے درد پر آنسو بہانے والی کوئی آنکھ نہ ہو، اس کے غم کو بانٹنے والا کوئی دل نہ ہو اور اس کی تسلی و دلداری کرنے والی کوئی زبان نہ ہو تو رائی برابر مصیبت پہاڑ کی طرح معلوم ہوتی ہے، یہ انسانی فطرت ہے اور انسان کی نفسیات کا لازمی حصہ ہے، خاندان کی شرکت خوشی کو

دوبالا اور غم کے احساس کو ہلکا کرتی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے خاندان کے وجود کو اللہ تعالیٰ کے احسان میں شمار کیا ہے، بنیادی طور پر انسان تین خاندانوں کے درمیان ہوتا ہے، دادیہال، نانیہال اور سسرال، دادیہال اور نانیہال ماں باپ کی طرف سے اور سسرال شوہر و بیوی کی طرف سے، قرآن نے پہلے دونوں خاندان کو ”نسب“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہی اور تیسرے خاندان کو ”صہر“ کے لفظ سے: **وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ التُّرَابِ بَشَرًا فَجَعَلْنَا نَسَبًا وَوَسْطَرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا** (الفرقان: ۵۴) اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خاندانی نظام انسانی سماج کے لئے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس میں انسان کا تحفظ ہے، اس میں اس کی کفالت کا انتظام ہے اور اس میں قلبی اور روحانی سکون کا سامان ہے، لیکن اسلام کا قانون میراث اور قانون فقہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ خاندانی نظام میں اتنا پھیلاؤ بھی نہ ہونا چاہئے کہ انسان کے لئے اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہوجائے اور ہر انسان کے اندر خلوت پسندی اور دوسروں کی مداخلت سے تحفظ کا جو جذبہ رکھا گیا ہے، وہ بھی مجروح ہوجائے، کیونکہ اگر خاندان کی وسعت غیر محدود ہوجائے تو انسان گھر میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو بازار میں محسوس کرتا ہے اور مزاج کا

اختلاف دوریاں پیدا کرنے کا اور ایک دوسرے سے اکٹھا ہونے کا سبب بن جاتا ہے، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں خاندانی نظام کی بڑی اہمیت ہے، لیکن اس کے دائرہ کو اس حد تک محدود کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسان بے سکونی محسوس نہ کرے۔

خاندانی نظام کی بنیاد شریعت اسلامی میں عدل و احسان پر ہے، عدل یہ ہے کہ جو آپ کے کام آتا ہے اور جتنا کام آتا ہے، آپ بھی اس کے کام آئیں اور اسی قدر آئیں، اسی لئے شریعت نے نفقہ کی ذمہ داری، حصہ میراث کے تناسب سے رکھی ہے، جو امکانی طور پر اس کے وارث ہونے کے اہل ہیں اور نفقہ بھی اتنی ہی مقدار میں واجب ہوگا، جتنا اس کا حق میراث ہوتا ہے۔ احسان یہ ہے کہ جو آپ کے کام نہ آئے آپ اس کے کام آئیں، یعنی ایثار اور بے غرضی یعنی تعلق، اسی لئے جن لوگوں کا نفقہ کسی شخص پر واجب ہوتا ہے، وہ اس پر قرض نہیں ہوتا؛ بلکہ تبرع ہوتا ہے، یہ سمجھ کر رشتہ داروں کی خدمت کی جاتی ہے کہ ان کے لئے کھونا بھی پانا ہے: اس لئے اسلام میں خاندانی نظام کی بنیاد عدل و احسان یا انصاف و ایثار پر ہے۔

خاندان کی تشکیل میں خواتین کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے، عورت ایک طرف اپنے بچوں کو سمیٹ کر رکھتی ہے اور دوسری طرف اپنے رشتہ داروں اور اپنے شوہر کے

رشتہ داروں سے اپنی اولاد کو جوڑتی ہے، ماں کی ممتا اور بیوی کی محبت کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے، جب کہ وہ لطافت کا پیکر اور سراپا لطف و محبت ہو، لطافت کے لئے جسمانی نزاکت بھی ضروری ہے اور لطف و محبت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر جذبات کا عنصر زیادہ ہو اور اس کا دل درود محبت سے معمور ہو، اس میں شبہ نہیں کہ یہ ایک غیر معمولی خوبی ہے، لیکن دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس سے انسان کی قوت فیصلہ متاثر ہوتی ہے اور اس میں ذکاوت حس پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے اسلام میں خواتین کے حقوق پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے کہ مرد اس کی جسمانی کمزوری کا فائدہ نہ اٹھائے اور اس کے جذبات محبت کا استحصال نہ کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے عورتوں اور غلاموں کے حقوق پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، اگر خواتین کو ان کے حقوق نہ دیئے گئے، انہیں برابر کی شریک حیات کا درجہ نہ دیا گیا، انہیں اپنی ضروریات کے لئے گھر سے باہر نکلنے پر مجبور کیا گیا اور فرائض مادری ادا کرنے میں رکاوٹ پیدا کی گئی تو یقینی طور پر خاندانی نظام کھمکھ کر رہ جائے گا۔

مغرب میں اس وقت یہی صورت حال ہے، مغرب نے مادی مفادات، زیادہ سے زیادہ افرادی وسائل کے حصول اور تجارتی ترقی کے لئے خواتین کو گھر سے باہر

نکالا، انہیں تشہیر تجارت کا ذریعہ بنایا اور انہیں اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اس ذمہ داری کو بھی ادا کریں، جو فطری طور پر ایک عورت ہی ادا کر سکتی ہے اور کسب معاش کی جدوجہد میں بھی مردوں کے ساتھ شریک ہوں، اپنا یوجہ آپ اٹھائیں اور اپنی ضرورتیں آپ پوری کریں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میاں بیوی کے تعلق میں جذباتیت اور وفاداری کم ہو گئی، طلاق کے واقعات بڑھ گئے، بغیر نکاح کے زندگی گزارنے کو بہتر سمجھا جانے لگا، بچے والدین کے لئے بوجھ بن گئے، شرح پیدائش کھتی چلی گئی، زنا کی کثرت اور شناخت سے محروم بچوں کی بہتات ہو گئی، پُرسکون ازدواجی زندگی سے محرومی کی وجہ سے سکون حاصل کرنے کے لئے نشہ خواری زندگی کا حصہ بن گئی، والدین اور اولاد میں بھی محبت، وفاداری اور جذبہ خدمت باقی نہیں رہا اور خاندانی نظام پوری طرح کھمکھ کر رہ گیا، خاندانی نظام کے کھمکھ اڑنے سے مغربی سماج کو جو نقصانات پہنچے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

○ بوڑھے اور ضعیف لوگوں کے لئے زندگی گزارنا دو بھر ہو گیا، اب ان کے لئے دو ہی راستے رہ گئے، یا تو وہ اپنے گھر میں تنہائی اور بے چارگی کی زندگی گزاریں، انہیں ایک گلاس پانی دینے والا اور ایک نوالہ کھلانے والا بھی میسر نہ ہو، یا وہ سن رسیدہ اور معمر لوگوں کے لئے بنائے گئے

ہاسٹل میں رہیں اور ان کے بچے سال میں ایک دفعہ آ کر انہیں گلہ سہ پیش کر دیں اور بس، یہ ایسی زندگی ہے جس میں انسان کو موت زندگی سے بہتر معلوم ہوتی ہے۔

○ دوسرا نقصان عورتوں کا ہوا، عورتوں کی صحت میں فطری طور پر جلد انحطاط پیدا ہوتا ہے، ولادت اور فطری عوارض تیزی سے ان کی صحت کو متاثر کر دیتے ہیں اور عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف ان کی خوبصورتی کو کہن لگنے لگتا ہے، بلکہ ان کی قوت فکر اور قوت عمل بھی تیزی سے متاثر ہونے لگتی ہے، اب جس معاشرہ میں عورت صرف مرد کے لئے ہوں کا سامان ہو، اس میں ایک ایسی عورت کی کیا قیمت ہو سکتی ہے، جس کا حسن و جمال ڈھل چکا ہو، اسی لئے مغربی سماج میں عورتیں اپنے آپ کو بہت پریشان محسوس کرتی ہیں اور غالباً اسی باعث مغربی ممالک میں خواتین بہ مقابلہ مردوں کے زیادہ اسلام قبول کرنے پر مائل ہیں۔

○ تیسرے: اس سے بچے متاثر ہوتے ہیں، جب زندگی میں ایک دوسرے سے جوڑ نہ ہو، زندگی کا مقصد صرف عیش و عشرت ہو تو وہاں انسان کے داد عیش دینے میں جو چیز بھی رکاوٹ بنتی ہے، وہ بوجھ بن جاتی ہے، بچے اس آزادی میں غلل انداز ہوتے ہیں، وہ ماؤں کے لئے ملازمت میں رکاوٹ بنتے ہیں اور شوہر و بیوی کے درمیان تعلقات میں بے وفائی کی وجہ سے

یہ اندیشہ بھی دامن گیر ہوتا ہے کہ اگر ہمارے راستے الگ ہو گئے تو ان بچوں کا بوجھ کون اٹھائے گا؟ اس لئے مغربی سماج اولاد سے راہ فرار اختیار کر رہا ہے اور چونچے پیدا ہو جاتے ہیں، انہیں دیکھ بھال کے لئے پرورش گاہوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا انہیں ہفتہ میں ایک دو دن ہی مل پاتی ہے، اس طرح بچوں پر غیر معمولی نفسیاتی اثر پڑتا ہے۔

○ اس کا ایک بڑا نقصان اپنی شناخت سے محرومی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ وہ اپنی پہچان کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کے شہر کی، اس کے گھر کی، اس کے کاروبار کی اور اس کی اپنی پہچان ہو، سب سے زیادہ اس کو جو شناخت عزیز ہوتی ہے، وہ فطری شناخت ہے، یعنی ماں باپ اور خاندان سے اس کی نسبت، وہ اس کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتا ہے، جو لوگ اپنی شناخت سے محروم ہوتے ہیں، انہیں یہ محرومی ستاتی ہے، وہ نفسیاتی مریض ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ مجرمانہ حرکتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، خاندانی نظام کے بکھراؤ کی وجہ سے نکاح سے گریز، زنا کی کثرت اور اپنی شناخت سے محروم بچوں کی پیدائش مغربی ملکوں میں ایسے بھرموں کو پیدا کر رہی ہیں۔

○ انسان کو جو چیز سب سے زیادہ محبوب

ہے، وہ ہے دل کا سکون، یہ سکون یا تو انسان کو تعلق مع اللہ سے ہوتا ہے، یا ایک انسان کو دوسرے انسان سے، بچوں کو اپنے ماں باپ کی گود میں جا کر جو سکون ملتا ہے، اس کی کسی بڑی سے بڑی نعمت سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی، نوجوان اولاد بوڑھے ماں باپ کے سر میں تیل لگائے اور پاؤں دبائے اس سے والدین کو جو خوشی ہوتی ہے اور قلب و روح کو جو تسکین حاصل ہوتی ہے، وہ سونے چاندی کی پلنگ پر سلانے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی، شوہر و بیوی جیسے ایک دوسرے کے سکون کا ذریعہ ہیں، کوئی چیز اس کا متبادل نہیں بن سکتی، بھائی بہن کو ایک دوسرے کی محبت سے جس خوشی کا احساس ہوتا ہے تو رشتوں کے آگینے ٹوٹ جاتے ہیں، جیسے برقی سے محروم بلب سے روشنی حاصل نہیں کی جاسکتی، اسی طرح ان بے روح رشتوں سے انسان کو سکون کی غذا حاصل نہیں ہو پاتی، یہی وجہ ہے کہ مغرب اور مغرب زدہ معاشرہ میں بے خوابی، ڈپریشن اور خودکشی کے واقعات تیزی سے بڑھتے جا رہے ہیں، اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خاندانی نظام کا بقا انسان کے لئے بہت بڑی نعمت اور اس کا بکھر جانا بہت بڑی آزمائش ہے۔

گلوبلائزیشن کی بنیاد پر صرف مغرب کے تجارتی سامان ہی کا مشرقی ملکوں میں ایک سپورٹ نہیں ہو رہا ہے، بلکہ مغربی افکار،

مغربی تہذیب اور مغرب کا طرز زندگی بھی ہمارے سماج کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے، نوجوان لڑکوں اور خاص کر لڑکیوں میں خاندان سے بے تعلق ہو کر ایسی زندگی گزارنے کا مزاج پیدا ہو رہا ہے کہ جس میں انہیں نہ اپنے بڑوں کی خدمت کرنی پڑے اور نہ ان کا حکم ماننا پڑے، ماں باپ جن کے قدموں کے نیچے جنت رکھی گئی اور جن کو جنت کا دروازہ کہا گیا، وہ اولاد کے لئے بوجھ بنتے جا رہے ہیں، خاندان کے بزرگوں کے تجربات پر مبنی مشوروں کو مدخل در معقولات تصور کیا جا رہا ہے، رخصت نکاح میں وقاداری کے بندھن کمزور ہوتے جا رہے ہیں، اولاد سے فرار کا جذبہ پروان چڑھ رہا ہے، خاندان کے مجبور لوگوں کی کفالت اور ان کی خدمت کی ذمہ داری لوگ اپنے آپ پر محسوس نہیں کرتے، غرض کہ ہمارا خاندانی نظام بھی ٹھکست وریخت

کے خطرہ سے دوچار ہے، ان حالات میں نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنے خاندانی نظام کو بچانے کی کوشش کریں اور اپنے سماج کو مغرب کے اس سیلاب میں بہہ نہ جانے دیں، جس نے خاندان کے تصور کو ایک فرسودہ روایت قرار دے دیا ہے اور چاہتا ہے کہ جیسے وہ خود خاندان کے ٹکڑاؤ کی آگ میں جل رہا ہے، مشرقی سماج میں بھی اسی صورت حال کو قبول کر لے۔ ○

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۳۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری - 300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے پیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقم "ادارہ رضوان" کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زرسالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور سخی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاد دہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے! زرسالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زرسالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ "رضوان" خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی و کوشش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور "رضوان" کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گزارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتے میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں Cantt. No. : 9415911511

خوشگوار زندگی اور قابل رشک موت

نہایت سے کی تھی، مدینہ پاک سے انہیں عشق تھا، اور یہ دعا بھی حرم پاک میں کی تھی کہ بیچ ان کا مدفن بنے، مگر آدی جاتا وہیں ہے جہاں سے جانا لکھ دیا گیا ہے: ”لا تدری نفس بای ارض تموت“ ہاں اگر قلبی تعلق مضبوط اور سچا ہوتا ہے تو وہ اندر ہی اندر وہاں پہنچا دیا جاتا ہے، یہ عجیب مناسبت تھی کہ مدینہ پاک کی مبارک ہستی ان کے استقبال کے لیے لکھنؤ میں موجود تھی، اور ان کے وقت آخر میں بھی رات گزرتے وقت بھی ان کے پاس موجود تھی، سب سے پہلے انہوں نے ان کی طرف سے صدقہ کیا کہ صحت ہو جائے، اور شفا عاجل حاصل ہو جائے، اور اس سے بلند طریقہ سے ان کا یہ عمل مقبول ہوا کہ تمام کلدورقوں، دنیوی آلائشوں کے افکار و ہوم، امراض و اعذار، سبھی سے مکمل شفا حاصل ہو گئی ہے، اور ایک بہترین اعجاز سے وہ اپنے مالک جنتی سے جا ملے، جب فجر کی اذان شروع ہو چکی جو انہیں کو قرآن مجید سنانے والے مولوی عبدالصمد ندوی دے رہے تھے، یس شریف مولوی سید سمان ندوی پھری کر چکے تھے، صاحبزادہ احب واعز مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی بھی انہیں اعمال خیر تلاوت وغیرہ میں مشغول تھے، اور انہیں کے گود میں عظیم باپ کا مبارک و مقدس سر تھا، آس پاس ہم لوگ بھی تھے، وہ فرماتے تھے: ایسے حالات

لگانا چاہیے، یہ سب جو بڑے نام ٹرمپ وغیرہ آتے ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں، ان کا انجام تو خراب ہی ہے، ہاں ایمان والے اور اللہ والے لوگ جو ہیں، انہیں جو ملے گا وہ باقی رہنے والا اور بہت خوب ملے گا، اہل ایمان کے لیے ان آیات میں جو پیغام دیا گیا ہے وہ صبر کا اور تقویٰ کا ہے، اور اہل ایمان کی ترقی اور کامیابی اسی سے جڑی ہوئی، کیا معلوم تھا کہ انہیں اپنا ملنے والا اعزاز، دائمی مدعا، جنتی مالک نظر آ رہا تھا، اور وہ گویا اپنی آنکھوں سے اس کا نظارہ کر رہے تھے جو انہیں چند گھنٹوں کے بعد دن گزرنے کے ساتھ رات گزرتے ہی اس استقبال کے ساتھ ملنا تھا جمل ایمان، اہل صبر و تقویٰ کے ساتھ ہوتا ہے، جب وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوتے ہیں، مدینہ منورہ سے مسجد نبوی کی جدید تعمیرات کے گمراہ انجینئر عبد الرشید صاحب جدید آبادی کی دعوت گھر میں مدینہ پاک کی

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۵ جنوری ظہر کا وقت نماز ظہر ادا کی جا چکی تھی، حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی نے معمول کے مطابق قرآن مجید سننا شروع کیا، وہ صبح دوپہر شام تینوں وقت قرآن مجید سنا کرتے تھے، مگر ہر تھے، آپ کے بڑے پوتے مولوی غلیل احمد نے قرآن کریم کی سورہ آل عمران شروع کی، آخری آیات کہیں یا آخری رکوع عجیب کیفیت ان پر طاری ہوئی، وجد سا آ گیا، فرمانے لگے: سب کچھ اس میں کہہ دیا گیا، سورہ ختم ہوئی تو فرمایا: جی چاہتا ہے آخری ان آیات کو آدیاں کر دیا جائے، یہ آیات تھی: ”لا یغفرلک..... قتلکون“۔ اہل دنیا، اہل کفر و نفاق کے دور دورے، غلبہ و اقتدار، طاقت و شکوہ سے دھوکہ میں نہیں آنا چاہیے، یہ تو ان کی دنیا چاہی پر بہت تھوڑا اور فوراً ختم ہو جانے والا دل رہا ہے، اہل ایمان کو اس میں دل نہیں

ہوں تو دعا نماز میں مشغول ہو جانا چاہیے، ان کی اپنے لیے وصیت اور ان کی مناسبت سے بھی بہترین موقع سمجھ کر میں نماز میں مشغول ہو گیا، معلوم ہوا بڑی سہولت سے روح پرواز کر گئی، چار بجے جب وہ اٹھے تھے تو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے پوچھا تھا: ”چھوٹے بھیا کیا بجائے؟“ فرمایا: ”چار بجے ہیں“، انہوں نے اٹھ کر شب بیداری کی تیاری شروع کی، وضو کر کے آنے کے بعد سینہ میں تکلیف بڑھی اور بڑھتی گئی، فرمایا: ”محمود! پڑھ کر دم کر دو“، سات بار سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا، کانوں میں سینہ میں دم کیا، پھر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ کی مرتبہ دعا سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ پڑھی اور مولوی خلیل حسنی نے بھی پڑھی، مولوی عین الحسن نے تلقین کلمہ سے اپنا عمل جاری رکھا، مولوی سبحان بھٹکل نے ان کو سہارا دے کر پڑھنا پڑھانا جاری رکھا، اور قریب ہی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اپنی تمام تر توجہات باطنی و ظاہری سے متوجہ اور مشغول تھے، اور اپنے تجربات سے بہت کچھ محسوس کر چکے تھے، ڈاکٹر سید عرفان قدیر کو لینے کے لیے مصباح بھائی نے ڈرائیور ناظم کو بھیجا، مگر ان کے ندوہ کے کیا ڈور جو مولانا کے دفتر کے ملازم بھی ہیں پہلے پہنچے اور وہ جان جان آفریں کے سر پر کر چکے تھے، ڈاکٹر عرفان قدیر صاحب

نے تصدیق کی: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہجری سنہ کے اعتبار سے آپ نے اٹھاسی سال اور عیسوی سنہ کے مطابق چھبیس سال کی عمر پائی۔ اس لحاظ سے آپ نے عمر میں اپنے مشفق ماموں مقرر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ کی مشابہت پائی۔

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی نے ایسی کامل توجہ اللہ کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضری دی جس کی اولیاء اللہ تمنا کرتے رہے ہیں، اور وہ ”طاب حیاطاب میتا“ کا مصداق بنے، ان کی جوانی بھی قابل رشک تھی اور بڑھاپا بھی قابل رشک تھا۔ ۱۹۶۳ء کی بات ہے کہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کا سفر پاکستان تھا جو سفر آخرت بھی ہوا، رائے پور میں مجمع امنڈ پڑا تھا، کہتے کہ: میں وہاں مولانا محمد ثانی حسنی کے ساتھ حاضر تھا، دعا کے لئے کہا اور پھر ملاقات کی خواہش ظاہر کی، فرمایا: ”یہاں کی ملاقات کیا، اصل ملاقات تو وہاں کی ہے (یعنی جنت کی)۔“ اس چیز نے مولانا کا حال عجیب بنا دیا تھا، انہوں نے از شباب تا شیوخ تہر دن آخری دن، ہر رات آخری رات سبھی اور ان کا دل دنیا میں کبھی نہیں لگا، اللہ سے لقاء کا شوق ہمیشہ غالب رہا، جنت کا ان کو یقین حاصل تھا، اپنے بڑے مناسبت والے اور بے تکلف بھائی (ماموں زاد) و برادر نسبتی مولانا سید

محمد الحسنی جو آپ سے صرف پونے دو سال چھوٹے تھے، کہنے لگے کہ: ہم میں تم میں جسے زیادہ اونچا مقام حاصل ہو وہ دوسرے کو اپنے ساتھ اوپر بلا لے کہ وہاں بھی تم ہم ساتھ ہی رہیں گے۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ ان کے انتقال سے پہلے یہ خواب دیکھا بھی گیا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کہہ رہے ہیں کہ: ”واضح کو محمد میاں کے پاس ٹھہراؤ“، انتقال کے بعد راقم نے خواب دیکھا کہ وہ محکف ہیں، اور راقم سطور سے بات کر کے ایک تبلیغی اجتماع سے آنے کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ وہاں مولانا محمد الیاس صاحب بھی آئے تھے، ان کا تبلیغ میں قابل رشک حد تک وقت لگا۔ اکابر تبلیغ مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی، مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی کے ساتھ وقت لگا تھا، اور دونوں کی ہی بہت توجہ ان کو حاصل تھی، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے درد و سوز، فکر و تڑپ کے بڑے قائل تھے اور حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کی نموشی، توجہ الی اللہ، اور علمی رسوخ کے بہت قائل رہے۔ ایک بار راقم سے کہا: ”مجھے دو لوگوں کے علمی تجمر و توسع نے خاص طور پر بہت متاثر کیا، ایک ماموں جی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ایک حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی“۔ جب انہوں نے دہلی کے قیام پر لکھنؤ کے قیام کو ترجیح دینے کا

فیصلہ لیا اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کو لکھا تو حضرت شیخ نے ان کو لکھا کہ: ”علمی مشغلہ معمولی دنیوی نقصان کے ساتھ ہی نہیں، بڑے دنیوی نقصان کے ساتھ بھی اختیار کر لینا چاہیے“ اور ساتھ ہی حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کو خط لکھا کہ: ”واضح نے میرے کہنے سے اتنا بڑا فیصلہ لیا ہے، تم دعا کرو کہ وہ کسی آزمائش میں نہ پڑیں“، اور واقعی اللہ نے ہر آزمائش سے بچایا اور دوسرے کا انہیں محتاج نہیں بنایا، یہاں تک کہ اپنے ذاتی کام بھی خود ہی کرتے کراتے دنیا سے گئے، جس کے ہم سب خدام شاہد ہیں، خدمت لینا انہیں ہمیشہ گرانبار رہا، نہانا ہوتا تو بالٹی خود بھرتے، کپڑے میں کچھ لگ جاتا تو خود دھوئے، اس رات بھی آپ ہی کیا۔

۱۹۶۳ء میں جیسے ہی دہلی سے لکھنؤ آئے اللہ نے حج کا غیب سے انتظام فرمایا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ حج کو گئے، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی بھی تھے، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے مولانا ظلیل الرحمن سجاد نعمانی ندوی بھی، اور قربانی ان دونوں نے منی میں خود کی، فرماتے تھے: ”اللہ نے بڑی حفاظت فرمائی، چھری اور جانوروں پر سے گذرنا آسان نہ تھا، اسی حج میں منی میں ایک نشست شاہ فیصل شہید نے اعلام عالم اسلام کی رکھی تھی، شیخ بن باز اور حضرت

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی اپنے پہلو میں ہی نشست رکھی تھی، تو مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ کے ساتھ بھی یہ تکریم فرمائی کہ وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ بطور مراقب آئے تھے، اور بینائی بہت متاثر تھی، حضرت شیخ کے حکم سے حضرت شاہ اسماعیل شہید کی کتاب ”تقویۃ الایمان“ کا عربی میں ترجمہ ”رسالت التوحید“ کے نام سے مسجد نبوی میں شروع کیا تو مولانا واضح حسنی ندوی علیہ الرحمہ کو اٹا کر شروع کیا۔

انہوں نے بڑی تنخواہ چھوڑ کر چھوٹی تنخواہ پر محض لوجہ اللہ قناعت و اکتفا کیا پھر جب معتمد تعلیم کے منصب پر فائز ہوئے اور تدریسی کھٹے آخر تک رہے مگر تنخواہ ترک کر دی، یہ عرصہ بھی دس بارہ سال گذرا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے بشارت دی تھی کہ واضح سے ندوہ کو فائدہ پہنچے گا اور وہ پوری ہوئی اور ندوہ نے ان کی توجیہات میں بڑی ترقی کی اور وہ اس کے بڑے مناصب پر فائز ہوئے۔ بیت اللہ شریف میں داخلہ کی سعادت بھی حاصل کی، کعبۃ اللہ کے اندر کچھ تعمیراتی کام اور کھدائی حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی کھدائی تک ہوئی تھی، یہ ۱۹۹۵-۱۹۹۶ء کی بات ہے، بھائی عبد الرشید صاحب مہندس کی کوشش کارگر ہوئی اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ، ان کے

بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور ان کے تاجر خادم سرفرد حضرت الحاج عبدالرزاق صاحب مرحوم بھی تھے اور وہ عظیم سعادت و شرف حاصل کیا کہ قدیم بناء ابراہیم میں ان کے قدم مبارک پہنچے، اور خوب دعا مناجات کی، نماز پڑھی، تضرع اور الحاج و زاری کی۔

باتیں لکھنے کی تو ہزار ہیں، مگر یہ بات آخری دن کی ہے، ۱۸ جمادی الاولیٰ کا طلوع فجر ہوتا ہے، نماز کے بعد مولوی عبد الصمد ندوی مؤذن مسجد ندوۃ العلماء سے قرآن مجید سنا، جو جب سے آکھ کا آپریشن کرایا تھا، ان کا روز کا معمول تھا، جسے مختلف سالوں میں مختلف لوگ کرتے آرہے تھے، مولوی سہمان ندوی سے آغاز ہوا پھر اس قافلہ میں مولوی دانش، مولوی سید احسان اللہ، مولوی مرفاد بھٹکل، مولوی سفیان بھٹکل، مولوی معاذ عثمانی ندوی، مولوی سعد مہاراشٹری، مولوی محمد عانی بھٹکل، رائے بریلی کے قیام میں مولوی عبد السمیع، اور گھر میں ہوتے تو مولوی محمد میاں حسنی، مولوی سعید حسنی، مولوی سید محمد امین حسنی، مولوی عبدالحی، مولوی حبیب، مولوی ضویب اور سب سے بڑھ کر نہایت عاشقانہ انداز اور والہانہ طریقہ سے تلاوت کرنے والے محبت صادق مولوی محمد یوسف ندوی بیچ بیچ کناڈا کا نام بھی ہے جنہیں سیری ہی نہ

ہوتی اور مولانا بھی خوب لطف لیتے، ایک بار مولوی محمد مصطفیٰ الحسن کا ندھلوی ندوی نے سنایا، خوش ہوئے اور تعریف کی۔ وہ قرآن مجید کے ماہر تھے، غلطی فوراً پکڑتے اور تنبیہ کرتے تھے، ریڈیو میں بڑے بڑے قراء کا انتخاب کرتے تھے، ان کی اس خصوصیت کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔

معمول کے بعد دفتر بھی گئے، دفتر کے ملازم شریف کہتے ہیں کہ دنیا کی بے ثباتی، زندگی کی قیمت، موت کی حقیقت کے بارے میں باتیں کیں، ہم لوگوں کو تھوڑی حیرانی ہوئی کہ آج مولانا ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں، دفتر کے سکرٹری مولانا دیشق ندوی افسوس کہ سفر بحرین پر تھے، اور مولانا عثمان ندوی، عبدالکریم ندوی ان کی کمی پوری کرنے دفتر آجاتے تھے۔

انجینئر عبدالرشید صاحب مدینہ منورہ کے لیے دعوت کو اپنے صاحبزادے مولانا جعفر حسنی ندوی سے پہلے ہی کہہ چکے تھے، دفتر سے ظہر سے قبل ہی حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی اور راقم سطوز مولوی ظلیل کے ساتھ گھر چلے گئے، جہاں ظہر بعد عبد الرشید صاحب ان کے بیٹے اور مصباح بھائی پہنچ گئے تھے۔

عصر بعد مولوی سفیان نے ندوہ میں قرآن مجید سنایا، اور یہ آخری سماعت تھی، باقی اپنے قرآنی معمولات اور دعا و اذکار وغیرہ کے معمولات صبح، دوپہر، عصر، شام

کے سب پورے کیے، ایک دو دن پہلے ارسلان سبزی والے کچھ بات وغیرہ کرنے لگے تو ان سے سبزی وغیرہ کے بارے میں پوچھنے لگے، پھر نصیحت کی، اور حدیث یاد کرائی ”من غش فلیس منا“ (جو دھوکہ دھڑی کرے وہ ہم میں سے نہیں!) اسی طرح حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی کی آڈیو کے بارے میں جو اسٹارٹ فون کے بارے میں تازہ آیا تھا کہ جن کو اپنے اوپر کنٹرول نہ ہو ان کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں اور دنیا کی تھوڑی زندگی کے لیے آخرت کی دائمی زندگی کا سودا کرنا کون سی عقل مندی ہے، یہ بات مولانا علیہ الرحمہ کو بہت پسند آئی اور اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد رابع حسنی کو سنائی کہ ہم لوگوں کو بھی اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم سب کیسی غفلت میں ہیں۔

ایک معمول اوقات کے اعتبار سے سورتوں کی تلاوت کا تھا، فجر میں یسین شریف، ظہر میں سورہ فتح، عصر میں سورہ نبا، مغرب میں سورہ واقعہ، عشاء میں سورہ ملک، وہ سب پوری استقامت سے تا عمر اور آج بھی پورے کئے، اور مغرب کے معمولات پھر رات کو سونے سے پہلے کے معمولات بھی حسب سابق پورے کئے اور کچھ اشارے بھی دیے جو دنیا سے اکتاہٹ اور لوگوں سے وحشت کے ساتھ اللہ کے ساتھ انس و تعلق اور الوداع کہنے کے تھے۔ دعاؤں کے تعلق سے ان کا یقین اس

قدر بلند تھا کہ فرماتے: ”اللہ کا ہم پر یہ بڑا فضل ہے کہ ہم اپنی بیماری کا علاج دعاؤں سے کر لیتے ہیں“، مسنون دعاؤں کا ان کو بڑا اہتمام تھا، پورے یقین کے ساتھ معافی تلافی بھی کی، اپنے صاحبزادے مولانا جعفر صاحب سے کہا: ”مجھے معاف کرنا“۔ وہ طبی چیک اپ اور اسپتال وغیرہ سے بہت وحشت کھاتے تھے، اللہ نے ان کو اپنے پاس بلائے وقت اسپتال کی منزل سے محفوظ رکھا، اپنے بستر پر ہی سفر آخرت کیا۔

خبر آنا فانا ایسی پھیلی کہ برا غصوں میں پہنچ گئی، ہم نے تو سب سے پہلے جا کر مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء ندوی مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی کو مسجد میں جا کر اطلاع دی، وہ اسی وقت آنے لگے مگر نماز تیار تھی، وہ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں آئے، مولانا عبدالعزیز بھنگلی نائب مہتمم ندوۃ العلماء صاحب مکہ مکرمہ میں تھے ان کو فون کیا، عمرے طواف فوراً شروع ہو گئے اور بعد میں خوب ہوئے، اور غائبانہ نماز جنازہ کی اطلاعات بھی جگہ جگہ سے آئیں، مولوی یوسف حسینی قنبر میں تھے، بتایا کہ علامہ یوسف قرضادی نے نماز جنازہ غائبانہ قنبر میں پڑھائی، حضرت مولانا تقی الدین ندوی مصر گئے تھے، خبر دی کہ ان کی نماز جنازہ جامع اذہر میں پڑھائی گئی، دوسرے ملکوں سے بھی لوگ تعزیت میں حاضر ہوئے، حضرت مولانا

عید اللہ افغانی بلخ سے آگے مگر بعد میں پہنچے، محترمی جناب ضیاء اللہ صاحب جدہ سے اسی دن پہنچ گئے، ملک بھر سے جنہیں فلائٹ مل گئی آگئے، نظام الدین مرکز کا قافلہ شریک جنازہ ہوا، حضرت مولانا محمد ولی رحمانی امیر شریعت بہار، حضرت مولانا احمد لاث ندوی گجرات، اگرچہ اسی دن چل دیے مگر شریک جنازہ نہ ہو سکے، پھر تو تانتا بندھا رہا، کس کس کا نام لیا جائے، سبھی اہل تعلق نے تعلق کا خوب ثبوت دیا، جو نہیں آسکے ان کے خط اور پیغام آئے۔

غسل اور تجہیز و تکفین دارالشفاء ندوہ میں ہوئی، مولانا جعفر حسنی اور ان کے صاحبزادگان مولوی امین، مولوی عبدالحی کے علاوہ مولانا بلال حسنی ندوی، ان کے ساتھ سید احسان اللہ، مصباح الدین بھائی، سید سحبان ثاقب اور حافظ فضل الرحمن صاحب شریک تھے، جنازہ تیار ہوا، ان کے پیچھے مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی بھی وہاں موجود تھے، اور انہیں کے ساتھ سب سے پہلے لوگوں نے اٹھایا۔

پھر اخیر میں دیدار والوں کا تانتا بندھا رہا، سیاسی جماعتوں کے لوگ بھی آتے رہے، علماء، قائدین، عمائدین اور خواص و عوام، اہل دین اور اہل دنیا سبھی نے عقیدت کے پھول نچھاور کیے، حقیقی پھول نہیں..... اس لیے کہ وہ بدعت کی رسم ہے..... محبت و عقیدت کے جذبات جن

سے روکا نہیں جاسکتا سنت کے دائرہ اور شریعت کے سایہ میں رہ کر۔ نماز جنازہ بڑے مجمع کو بڑے میدان میں مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی نے ادا کرائی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی پہلے ہی راتے بریلی قافلہ کے ساتھ روانہ ہو چکے تھے، برابر وہاں لوگوں کی آمد تھی، عصر بعد جنازہ مولود موطن نکیہ شاہ علم اللہ پہنچا، پروانہ دار لوگ ٹوٹ پڑے، مگر احترام اور سنت کا پاس سبھوں نے ملحوظ رکھا، جذبات تھے کہ۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا شان سے نکلے باہر بھی برابر دیدار کے لیے مجمع اندر پڑ رہا تھا، آخری دیدار حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے کیا، اور پھر بڑے کثیر مجمع کو نماز جنازہ پڑھائی، اور حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ قبر میں اترنے والوں میں محبوب صاحبزادے مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی صاحب اور محبوب پیچھے مولانا سید بلال حسنی ندوی تھے، جنازہ کو عین سنت کے مطابق دہنی کروٹ قبر میں رکھا گیا، بڑی سہولت سے یہ سنت ادا ہوئی، جس میں عموماً لوگ دشواری میں پڑ جاتے ہیں، قبر میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے حافظ قرآن پوتے مولوی محمد امین حسنی ندوی اور سید احسان اللہ تھے جن کا قرآن مجید سنانے کا ایک پورے سال معمول رہا تھا،

آس پاس اور اہل تعلق افراد خاندان اور ہم سب لوگ تھے، مجمع کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا، یہاں تک کہ عشاء کی اذان ہوئی، فجر کی اذان کے ساتھ انہوں نے آخری سانس لی تھی اور عشاء کی اذان کے ساتھ آخری مٹی دی گئی، اور سپرد خاک ہوئے، اذان کی دعا کے ساتھ متوجہ وقت میں وہاں ہم باقی بچے لوگوں نے رفیع درجات اور مغفرت و قبولیت اعمال کی دعا کی۔

اللہم اغفر لہ وارحمہ واحشرہ مع النبیین والصدیقین والشہداء والصلحین وحسن اولئک رفیقاً۔

اللہم تقبل حسناتہ وخدماتہ لاعلاء کلمتک ولنصرۃ دینک ولمقاومۃ أعدائک مجاہدا و ساعیفا فی الغزو الفکری مدافعا للاسلام والمسلمین۔

ان کے قلم نے دشمنان اسلام کے اسلام مخالف حقائق، مسلمان کے خلاف دسیسہ کاریوں، سازشوں کو بے نقاب کیا، اور پوری واقعیت کے ساتھ بار بار پیش کیا، یہ بیہودی دماغ، عیسائی وسائل کس طرح..... اور عربوں کے خلاف اپنا حقد نکالنے میں لگے ہیں وہ جاگ رہے ہیں اور ہم سو رہے ہیں۔

فانتبهوا یا اولی الابصار۔

○○○

وسلم نے فرمایا: ہاں! یہ بتلاؤ کہ اگر وہ جنسی خواہش حرام طریقے پر پورا کرے تو اس کو گناہ ملتا ہے یا نہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا، کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح اگر حلال طریقے سے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کرتا ہے تو اس پر اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۰۰۶)

عصمت کی

حفاظت پر بشارات

البتہ نکاح کے علاوہ صنفی تسکین کے جو راستے ہیں ان کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے، اور ان کے قریب جانے سے منع کیا ہے، سورہ مومنوں کی ابتدائی آیات میں میں کامیاب مومن کی جہاں دیگر صفات ذکر کی گئی ہیں وہیں ایک صفت یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی حلال طریقے سے اپنی جنسی جذبہ کی تکمیل کرتے ہیں اور حرام طریقوں سے بالکل بچتے رہتے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَفْئِدَتِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ۔
فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدْوَانُ۔ (المومنون: ۵، ۶، ۷)

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حرام شہوت



طبعی رجحانات کی بھرپور رعایت کی گئی ہے، اسی لئے اسلام نے مسلمانوں کو شادی کی ترغیب دی ہے، اور اس کے ذریعہ اپنے فطری تقاضے کو پورا کرنے کی اجازت دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص تم میں سے نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ نکاح کرے، کیونکہ نکاح نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت میں معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۱۹۰۵) صرف یہی نہیں، بلکہ حلال طریقے پر فطری جذبہ پورا کرنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باعث اجر قرار دیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، بیوی سے ملاپ میں تمہارے لئے اجر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا، ہم میں سے ایک شخص اپنی جنسی خواہش پوری کرتا ہے تو کیا اس پر اجر ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ

زن و شوہر مظاہر قدرت کے حیرت انگیز شاہکار ہیں، خلاق عالم کی قدرت کا بے مثال نمونہ ہیں، کائنات رنگ و بو کی کبھت و رعنائی ان دونوں کے دم خم سے قائم ہے، خالق کائنات کی طرف سے ایک طرف ان دونوں صنفوں میں حسن و جمال کا رنگ بھردیا گیا ہے تو دوسری طرف ان دونوں میں باہمی جذب و کشش کے سامان بھی وافر مقدار میں رکھ دیئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے فطری طور پر ہر مرد کے اندر عورت کی طرف اور ہر عورت کے اندر مرد کی طرف میلان پایا جاتا ہے، جس کو ہم صنفی میلان اور جنسی جذبہ سے تعبیر کر سکتے ہیں، اس کا انکار کرنا کسی باشعور اور عقل مند انسان کے لئے ممکن نہیں ہے۔

نکاح جنسی تسکین کا ذریعہ

اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس میں انسان کے مزاج و مذاق اور اس کے

رانی سے حفاظت کرنے والے ہیں، لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی شرعی لونڈیوں سے حفاظت نہیں کرتے، کیونکہ ان پر اس میں کوئی الزام نہیں، ہاں جو اس کے علاوہ اور شہوت رانی کا طلب گار ہو تو ایسے لوگ شرعی حد سے نکلنے والے ہیں۔ ایک دوسری جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْنَ مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْنَ اَفْرُوْجَهُمْۗ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَّهُمْۗ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَۗ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّۗ (النور: ۳۰، ۳۱)

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ تعالیٰ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں، اسی طرح مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بھی نگاہ نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ من یضمن لی ما بین لحييه و ما بین رجلیه اضمن له الجنة۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۶۷۷) جو شخص مجھے زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے میں اسے جنت کی

ضمانت دیتا ہوں۔

صنفی آوارگی کی متعدد صورتیں

جب انسان پر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور شہوانی خیالات اس کے دل و دماغ پر مسلط ہو جاتے ہیں تو کم ہمت اور ضعف آشنا لوگ ان خیالات کی رو میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں، اور جنسی گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، نفسانی خواہشات کا غلبہ ہونے کی وجہ سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں ذیل میں ان کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے:

زنا اور اس کی فتاحت

ازدواجی رشتہ قائم ہوئے بغیر کسی عورت سے صنفی تعلق قائم کرنا زنا کہلاتا ہے، زنا ایک گناہ عظیم ہے، اللہ کے غضب و غصہ کا موجب ہے، عذاب الہی اور قہر خداوندی کا باعث ہے، یہ ایک ایسا سنگین اور گھناؤنا جرم ہے جس کو مذاہب عالم میں سے کسی مذہب نے روا نہیں رکھا ہے، اور نہ ہی کوئی شریف اور سلیم الطبع انسان اس کو برداشت کر سکتا ہے، یہ ایک ایسا گندہ اور غیر فطری عمل ہے جو نوع انسانیت کو قہر و ذلت کی عین وادیوں میں ڈھکیل دیتا ہے، اور پورے معاشرہ کے لئے بے شمار تباہیوں اور بربادیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے، جس قوم میں یہ گندہ اور خبیث عمل

عام ہوتا ہے وہ قوم ذلت و کجیت اور اوار و لپستی سے دوچار ہوتی ہے، زیوں حالی اور حرماں نصیبی اس کا مقدر ہوتی ہے، اور اس قوم کے افراد بلند اوصاف اور اعلیٰ اخلاق و کردار سے عاری ہوتے ہیں، بواہوسی، نفس پرستی، خود غرضی اور بے حیائی جیسی صفات رذیلہ کی خاص پہچان ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے اسلام نے اپنے پیر و کاروں کو اس قبیح عمل کے قریب جانے سے سختی سے منع کیا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْنٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاجِسًا وَّسَآءَ سَبِيْلًا۔

(بنی اسرائیل: ۳۲)

اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یقیناً یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت برا راستہ ہے۔ اور جو لوگ اس مذموم عمل کا ارتکاب کریں ان کے لئے اسلام نے بڑی عبرت ناک سزا مقرر کی ہے:

الزَّوْنِیَّةُ وَالزَّوْنِیُّ فَاجْلِدْهُمَا اَكْمَلْ وَاِجِدْ لِنَفْسِیْٓ اِنَّهٗ لَشَکُوْرٌۢ (النور: ۲)

زنا کار مرد اور زنا کار عورت میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو، اگر وہ شادی شدہ ہونے کے باوجود غلط مقام پر رحم ریزی کریں تو اسلام ایسے بدطینت اور سرکش لوگوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سزا سرکش انسان کے لئے کافی مؤثر اور حوصلہ شکن ہے اور انسدادِ فواحش

کے لئے بڑی حد تک مدد اور معاون ثابت ہوتی ہے۔

غیبی فطری عمل

کسی مرد کا کسی مرد سے صنفی تعلق قائم کرنا لواطت کہلاتا ہے، لواطت ایک غیر فطری اور نہایت گھناؤنا عمل ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کے غضب و غصہ کا موجب ہے، لواطت کے بارے میں اسلام کے اندر بڑی سخت اور دل فگار وعیدیں آئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: من وجدتموه يعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول به۔ (ترمذی، حدیث نمبر: ۱۳۵۶) جس شخص کو تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے دیکھو تم اسے قتل کر دو۔ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ملعون من عمل عمل قوم لوط۔ (حوالہ بالا) وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور ہو جو قوم لوط کا عمل کرے۔ ایام حیض میں بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کرنا ناجائز اور حرام ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ. قُلْ هُوَ آذَىٰ. فَاَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ. وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَحِلَّهُنَّ. فَإِذَا تَمَلَّكْنَ فَأَتْوَهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ.

اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے

ہیں، آپ فرمادیجیے کہ وہ گندی چیز ہے تو حیض میں تم عورتوں سے علاحدہ رہو، اور ان سے قربت مت کیا کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں، پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ سے اللہ نے تم کو اجازت دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ من جامع امراته وھی حائض فخرج الولد مجذوما او ابرص فلا يلومن الا نفسه۔ (من لا يحضره الفقيه: ۱/۹۶)

جو شخص اپنی بیوی سے حالت حیض میں صحبت کرے اور اس کے نتیجہ میں لڑکا جذام زدہ یا برص زدہ پیدا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے اوپر ہی ملامت کرے۔ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس شخص نے حالت حیض میں اپنی بیوی سے صحبت کی یا کچھلی شرمگاہ میں وطی کیا یا کسی نجومی کے پاس گیا (اور اس نے جو پیشین گوئی کی اس کو مان لیا) تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ احکام کا انکار کیا۔ (ترمذی، حدیث نمبر: ۱۳۵)

حالت حیض میں صحبت کرنا نہ صرف شریعت کی نگاہ میں مبغوض اور حرام ہے، بلکہ اس سے بہت سے طبی نقصانات بھی ہوتے ہیں، پروفیسر میسی لکھتے ہیں: ایام حیض میں جنسی تعلق قائم کرنے سے شرمگاہ

کی جلد سخت ناہموار ہو جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں جماع میں وہ لذت نہیں ملے گی جو پہلے سے جسم میں فطری طور پر موجود تھی، نیز مرد کے پراسٹیٹ غدود پڑھتے ہیں جس سے وہ سوزاک کا شکار ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ بسا اوقات دوران خون اس قدر شدت اختیار کر لیتا ہے کہ جس کا کنٹرول کرنا انسان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔

بیوی سے کچھلی شرمگاہ میں وطی کرنا بھی شریعت کی نگاہ میں ناجائز اور حرام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی سے کچھلی شرمگاہ میں وطی کرنے والے پر سخت وعید بیان فرمائی ہے۔ (حوالہ بالا) اس کے علاوہ اس سے بہت سے طبی نقصانات ہوتے ہیں، مثلاً ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل کر کے انسان مادہ منویہ کو ضائع کرتا ہے، اور اپنی بیج کو غیر صالح اور غیر متبج بناتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ نہ صرف انفرادی نقصان کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے، بلکہ یہ نسل کشی کے مترادف ہے، اور قانون فطرت سے بغاوت ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ نوجوانان اسلام کو صراط مستقیم پر گامزن رکھے، اور عفت و پاکدامنی اور تقویٰ و طہارت کے جوہر سے انہیں آراستہ فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

○○○

دلہاری کا نمونہ چھوٹے ابا مرحوم

تھی جو ”معارف“ کے شمارہ میں بھی چھپی تھی، ہمیں اس کا عربی ترجمہ کرنے کا حکم دیا اور پھر اس کو انٹرنیٹ میں چھاپا تاکہ عربوں کو صحیح صورت حال معلوم ہو سکے اور دہلی پر غیر مسلموں کے تسلط کے سلسلہ میں احتیاط سے کام لیں۔

ان کو ہر اس چیز سے قوت ملتی تھی جو اسلام کی آبیاری کا باعث ہوتی تھی، جمعی تو وہ غیر مسلموں کے ایک ایک واقعہ مختلف رسائل سے نکال کر ہمیں اس کا ترجمہ کرنے کا حکم دیتے تھے۔ وہ بار بار ان چیزوں کی طرف طلباء و اساتذہ کو متوجہ کرتے تھے جن کو مسلمان نے اختیار کیا تھا تو وہ اوج کمال کو پہنچ گئے تھے اور جب مسلمانوں نے ان کو چھوڑا، حکومت و سلطنت سب ان کے ہاتھ سے نکل گئی۔

وہ مسلمانوں کو اس بات پر ابھارتے تھے کہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر حالات کو بولنے کی کوشش کرو، جس چیز کو اختیار کر کے صہیونیوں نے پوری دنیا کو اپنے جال میں جکڑ رکھا، اس کو سمجھنے کی کوشش کرو اور یہ دیکھو کہ کیا دقت ہمارے لیے کیسے کیسے جال تیار کر رہا ہے، کبھی وہ اعلام پر قبضہ کر کے تم کو چھپا ڈر رہا ہے، کبھی غزوہ فکری کے جال میں تم کو جکڑ رہا ہے اور کبھی تم کو اپنے جبالوں کے خلاف غلط فہمیاں پیدا کر کے کھڑا کر رہا ہے اور تم آنکھیں بند کیے اس کی شاطرانہ چالوں کو نہ سمجھ کر اس کا شکار بنتے جا رہے ہو، آنکھیں کھولو، ماسونیوں کو سمجھو، صہیونیوں کی شیطانی فطرت سے واقف ہو، اور ان ایمانی متوالوں کی راہ اختیار کرو جو آنکھ بند کر کے سجدہ میں

ان کے بے پناہ علوم کی نکتہ آفرینیاں، کانوں میں دھبی دھبی اور پرسکون آوازیں گونجنے لگیں، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی مضمون کا ترجمہ کرنے کا حکم دے رہے ہیں یا کسی مغربی تعلیمی ماہر یا کسی عیسائی پادری یا سفیر کے اسلام قبول کرنے کے واقعات کا ترجمہ کرنے کا حکم ہمیں دے رہے ہیں اور پھر اس ترجمہ کی تزئین کر کے خود ہی تعمیر حیات میں چھپنے کے لیے دیدیتے، ہمیں بعد میں معلوم ہوتا کہ ہمارا ترجمہ چھپ چکا ہے۔ چھوٹے ابا کو فکرتھی تو اسلام کی حقانیت کو ساری دنیا میں نافذ کرنے کی، فکرتھی کفر و الحاد کے قلعوں کو ڈھانے کی، فکرتھی مغربی اور صلیبی و صہیونی ریشہ و انہوں کی بیچ کنی کرنے کی، فکرتھی کٹر وادی ہنود کے مسلمان کو قومی دھارے میں شامل کرنے کے نظریہ کی بیچ کنی کی، تبھی تو انہوں نے اڈوانی کے ۲۲ سال پہلے کے دہلی سفر کے دوران کی گئی گفتگو کو جس میں ہندوستان میں مسلمانوں کو قومی دھارے میں شامل کرنے کی بات کہی

میں جنوری کی تعطیل کے موقع پر دہلی جا رہا تھا، جانے سے پہلے حضرت مولانا سید واضح رشید صاحب جو ہمارے نانا مولانا محمد ثانی حسنی کے چھوٹے بھائی تھے جن کو ہم سب ”چھوٹے ابا“ کہتے تھے، سے ملا، انہوں نے کہا کہ تم تو چھٹیوں میں دہلی چلے جاتے ہو۔ دہلی کے قیام کے دوران معلوم ہوا کہ وہ پوچھ رہے تھے کہ مسعود کب آئیں گے ۱۶۲ جنوری کی صبح کی نماز سے فارغ ہی ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، فون دیکھا تو معاذ جو ہمارے پھوپھی زاد بھائی ہیں اور مدرسہ مانئشہ للبنات کے ناظر عام ہیں، میں نے انہیں فون دوبارہ ملایا تو انہوں نے بتایا کہ چھوٹے ابا کا انتقال ہو گیا، کچھ سمجھ میں نہیں آیا، اعصاب پر اس کا بہت اثر ہوا، احمد کمال چچا کو بتایا، وہ بھی بہت متاثر ہوئے، فوراً ہی رائے بریلی جانے کی ہائی روڈ تیاری شروع ہو گئی، پورے راستہ آنکھوں میں آنسو لیے روانہ ہوئے، چھوٹے ابا کے احسانات، ان کی محبتیں اور شفقتیں و عنایتیں،

نہیں کرتے، وہ ایک اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سجدہ کرتے ہیں، مولانا کے رگ وریشہ میں ایسا جذبہ کارفرما تھا جو صرف اسلام کی بقاء کے لیے تھا، وہ اسلام کے لیے جیتے تھے اور اسلام ہی کے لیے انہوں نے زندگی داؤں پر لگا رکھی تھی۔

افراد سازی میں ان کا انداز ایسا نرالا تھا کہ ہر کس و ناکس کو وہ اپنے دامن میں پناہ دے دیتے تھے، ہر شخص کو وہ اسلام کا سپاہی بنا دینا چاہتے تھے، یہ ساری چیزیں کیونکر انہیں نہ ہوتیں، ان کے اندر ایک طرف اگر فکرونی الہمی نے اپنا اثر چھوڑ رکھا تھا تو دوسری طرف سید احمد شہید کی تحریک نے ان کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا، ایک طرف شیخ زکریا نے ان کے دل کو محصور کر لیا تھا تو دوسری طرف ابوالحسن علی حسینی ندوی نے اپنی فکری ترجمانی ان کے سپرد کر دی تھی، یہ ساری فکریں کسی انسان میں جب حلول کر جاتی ہیں تو اس کے اندر ایسے جذبات پیدا کرتی ہیں جو پوری انسانیت کو ایسے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے جس میں صرف خیر ہی خیر اور شر کی کوئی جگہ نہ ہو، مولانا کا دل ایسا گلغلتہ دل بن چکا تھا جو ہر انسان کی بھلائی کی فکر میں لگا رہتا تھا، جو خیر کو پھیلانے کی سعی کرتا رہتا تھا اور شر کو مٹانے اور شر کو شرمجانے میں لگا رہتا تھا۔

ان تمام بلندیوں کے ساتھ مولانا کا معاملہ اپنے چھوٹوں اور بچوں کے ساتھ ایسا شگفتانہ اور مربیانہ تھا کہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ یہ وہ شخص ہے جو پہاڑ کی بلندیوں سے

موٹھگیاں کرنے کے ساتھ کسی اور طرف متوجہ بھی ہو سکے گا کہ نہیں، لیکن ایک بڑے کی پہچان یہی ہوتی ہے کہ ہر حق والے کو اس کا حق دیا جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے بھی یہ بات ہمیں معلوم ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں چند باتیں ذکر کرنا چاہتا ہوں، جس سے یہ معلوم ہوگا کہ مولانا کس قدر اپنے گھر کے افراد کا خیال کرتے تھے، مخدومی و کمری حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم (اللہ ان کے سایہ عافیت کو تادیر قائم رکھے) اور حضرت مولانا واضح رشید حسنی ہر جمعرات کو ہاؤس جو سفر کی دشواریوں کے رائے بریلی اپنی والدہ سے ملنے تشریف لاتے تھے، والدہ ان دونوں حضرات کے لیے بڑا اہتمام فرماتی تھیں، پہلے سے ہی حلوہ بنا کر رکھتیں اور کھانے میں بخنی پلاؤ تیار کرواتی تھیں۔

راقم اس وقت بہت چھوٹا تھا، اس کے حقیقی نانا حضرت مولانا حسینی کا انتقال ہو چکا تھا، اب یہی دو حضرات اس کے نانا تھے اور راقم بھی ان کو اپنا حقیقی نانا سمجھتا تھا اور آج بھی سمجھتا ہے، اور ان دونوں حضرات نے جو محبت دی، اس کو بھی فراموش نہیں کر سکتا ہے۔

راقم کو ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کا بہت شوق تھا، دونوں حضرات کو راقم کے اس شوق کا علم بھی تھا، اور ان حضرات کے پاس ندوۃ العلماء میں ملکی و غیر ملکی کثرت سے خطوط آتے تھے، یہ حضرات ان ٹکٹوں کو خطوط سے نکال کر رکھ لیتے تھے پھر جیسے ہی رائے بریلی پہنچتے، یہ ٹکٹ راقم کو دیدیتے، آج ایک

بڑا ذخیرہ راقم کے پاس ان ٹکٹوں کا موجود بھی ہے، دلداری کی یہ مثال بہت بڑوں ہی میں دیکھنے کو ملے گی، ورنہ آج کل آسانی کے ساتھ یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ بچوں کے شوق ہیں، ان سے ہمیں کیا دلچسپی لیکن اگر آپ سیرت کا مطالعہ کریں گے تو ایسی دسیوں مثالیں آپ کو دلداری کی مل جائیں گی، مولانا کی ایک بڑی خصوصیت صلہ رحمی تھی، جس سے کس بھی طرح کا رشتہ ہوتا تھا اس کی فکر کرتے، اس کے حال و احوال دریافت کرتے، اچانک اس کے یہاں بغیر کسی سبب کے صرف ملاقات کے لیے پہنچ جاتے، خاتون منزل جب بھی تشریف لاتے، گھر ضرور تشریف لاتے اور کہتے: اما مدہ محترمہ کا نام) کا گھر ہمارا گھر ہے۔

ندوۃ العلماء اور اس کے اساتذہ اور تعلیم کی فکر کرتے، اساتذہ سے مشورہ طلب کرتے اور متعدد شعبوں سے وابستہ حضرات سے وقتاً فوقتاً اس شعبہ کی کارگزاری معلوم کرتے، اس میں کسی طرح کی کمی ہوتی تو اس کی کو پورا کرنے کی کوشش کرتے، اس کے لیے لائحہ عمل تیار کرتے، وہ ہر ایک سے بے تکلف گفتگو کرتے تھے۔

آج ان کے انتقال سے ایسا غلا پیدا ہوا ہے جس کا پر ہونا بہت ہی مشکل ہے، اللہ رب العزت ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، آمین ثم آمین۔



ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمن العربی
اردو قالب: حافظ قرص

ایمان بالموت

ہلاک ہونا ہے اور ہر جان کو موت کا ذائقہ
چمکانا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ.

(انقص: ۸۸)

”ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے
سوائے اس کے چہرے کے۔“

مزید ارشاد فرماتا:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ. وَيَبْقَى
وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ.

(سورۃ الرحمن)

”ہر چیز جو اس (زمین) پر ہے، فنا
ہونے والی ہے اور آپ کے رب ذوالجلال
والاکرام کا چہرہ باقی رہے گا۔“

مزید ارشاد فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ
الْمَوْتِ. ”ہر کوئی موت کا ذائقہ چمکنے والا
ہے۔ (آل عمران: ۱۸۵)

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے
مطابق سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تعوذ
بھی پڑھا کرتے تھے:

أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا
أَنْتَ، الَّذِي لَا يَمُوتُ وَالْجَنُّ
وَالْإِنْسُ يَمُوتُونَ. (بخاری: ۷۲۸۳)

”میں تیری عزت کی پناہ چاہتا
ہوں۔ (تو وہ ہے) جس کے سوا کوئی خدا
نہیں، جو نہیں مرے گا جب کہ جن و انس
مر جائیں گے۔“

جانداروں کے بدن سے روحیں

سے اچھا سلوک کرتا ہے، اُس کا خاتمہ بالخیر
ہوتا ہے اور جو آدمی لوگوں پر ظلم و ستم ڈھاتا
ہے، اُن کے حقوق غصب کرتا ہے، امانت
میں خیانت کرتا ہے، وہ انجام بد سے دوچار
ہوتا ہے۔

موت کیا ہے؟

موت ہی وہ واحد شے ہے جسے تمام
مخلوقات یکساں طور پر جانتی اور پہچانتی ہیں،
اس لیے لمبی چوڑی تعریف و تفصیل کی
ضرورت نہیں۔ نہایت اختصار سے یہ کہ
موت نام ہے اُس کیفیت کا جس میں
جاندار کی روح اُس کے بدن سے علاحدہ
ہو جاتی ہے۔

موت کا مطلب یہ نہیں کہ روح فنا
ہوگی، روح فنا نہیں ہوتی، وہ صرف بدن
سے علاحدہ ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ وہی
نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی یا عذاب سے
دوچار ہوتی ہے۔ بعض دفعہ روح و بدن
دونوں جزا و سزا کے مختلف مراحل سے
گزرتے ہیں۔ موت پر ایمان لانے کا
مطلب یہ ماننا ہے کہ تمام مخلوقات کو آخر کار

موت انسانی زندگی میں پیش آنے
والا سب سے بڑا اور سب سے اہم واقعہ
ہے۔ اس تلخ جام کے کڑوے گھونٹ ہر
ایک کو پینے ہیں۔ یہ دنیائے آخرت کا
دروازہ ہے جس میں سے ہر آدمی کو گزر کر
آخرت کی ابدی اور لافانی زندگی میں داخل
ہونا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ نہیں کہ موت کو آنا
ہے۔ موت کو تو بہر حال آنا ہے، موت تو
دروازہ ہے، ہر آدمی کو اُس میں داخل ہونا
ہے۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ موت کے بعد آدمی کو
کہاں جانا ہے۔ موت کے بعد اُس سے کیا
سلوک ہونا ہے۔ کیا اُسے (جَنَّتٍ وَ
نَهْرٍ) میں جانا اور نئی نعمتوں سے لطف
اندوز ہونا ہے؟ یا پھر اُسے (خَالِلٍ وَ
شَعْبٍ) میں جانا اور دردناک عذاب سے
دوچار ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت عدل و انصاف کا
ایک قابل ذکر پہلو یہ بھی ہے کہ آدمی دنیا
میں جو کچھ کرتا ہے، اُس کا انجام بھی عام طور
پر اُسی طرح ہوتا ہے۔ جو آدمی صوم و صلاہ
کا پابند رہتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے، لوگوں

نکلنے کی ذمہ داری موت کے فرشتے کو سونپی گئی ہے۔

موت کا فرشتہ کون ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر مختلف ذمہ داریاں عائد کی ہیں جو انہیں پوری کرنی ہوتی ہیں۔ حضرت جبریل کا کام انبیائے کرام کو وحی پہنچانا تھا۔ ہادلوں کو ہانکنے اور ان میں سے پانی برسانے کی ذمہ داری حضرت میکائیل کے سپرد ہے۔ قیامت کے روز حضرت اسرافیل صور میں پھونک ماریں گے۔ ایک بڑا فرشتہ پہاڑ پر مامور ہے۔ اسی طرح ایک بڑے فرشتے کا کام جانداروں کے بدن سے روحمیں قبض کرنا ہے۔ اسی کو موت کا فرشتہ کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں موت کے فرشتے کا تذکرہ آیا ہے:

قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ۔

”کہہ دیجئے تمہیں موت کا فرشتہ فوت کرتا ہے، جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“ (السجدہ: ۱۱)

چند فرشتے ملک الموت کے معاونین کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

تَوَفَّاكَ نَسْنَأْ وَهُمْ لَا يُفْعَلُونَ۔ ”تو ہمارے فرشتے اسے فوت کرتے ہیں۔ اور وہ اس میں کوتاہی نہیں کرتے۔“ (الانعام: ۶۱)

حدیث میں بھی ملک الموت کا ذکر آیا ہے:

”پھر موت کا فرشتہ آتا ہے اور اس کے سر ہانے بیٹھ جاتا ہے۔“ (مسند احمد: ۳/۳۸۷)

اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کی موت کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اس میں ایک ٹاپے کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ موت کا فرشتہ وقت مقرر سے پہلے کسی کی روح قبض نہیں کرتا۔ اور وقت مقرر آنے پر کسی کو ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں دیتا۔ ارشاد باری ہے:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُّوجَّلًا۔

”یہ وقت بھی مقرر کر دیا جاتا ہے جب انسان ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔“ (آل عمران: ۱۳۵)۔ ارشاد نبوی ہے:

”ماں کے پیٹ میں انسان کا مادہ تخلیق چالیس روز تک بیج رہتا ہے۔ پھر وہ جو تک کی صورت، خون کا لوتھڑا بن جاتا ہے اور چالیس روز اسی حالت میں رہتا ہے۔ بعد ازاں وہ گوشت کا لکڑا بن کر چالیس روز اسی کیفیت میں رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے اور اسے چار باتوں کا حکم دیتا ہے۔ اس سے کہتا ہے، لکھو کہ یہ کیسے کام کرے گا، کتنا رزق پائے گا، اسے موت کب آئے گی اور یہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت۔“ (فرشتہ حسب ارشاد یہ تمام تفصیلات درج کر لیتا ہے) (صحیح البخاری، حدیث: ۳۲۰۸، صحیح مسلم: حدیث: ۲۶۴۳)

کوئی یہ نہیں جانتا کہ اسے

موت کہاں آئے گی

فرمان الہی ہے:

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔

”اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا، بے شک اللہ خوب جاننے والا، خوب باخبر ہے۔“

ارشاد نبوی ہے: ”اللہ تعالیٰ جس زمین پر آدمی کی روح قبض کرنا چاہتا ہے اس سرزمین پر اس کے لئے کوئی کام پیدا کر دیتا ہے۔“ (مسند احمد: ۳/۳۲۹)

یہ حقیقت کئی مرتبہ مشاہدے میں آئی ہے کہ آدمی کو جس شہر میں موت آنی ہوتی ہے، وہ کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچ جاتا ہے، چاہے اس نے اس شہر کے متعلق کبھی سوچا تھا یا نہیں سوچا تھا۔ اسے وہاں علاج کرانے کی ضرورت پڑ جاتی ہے یا وہ کاروبار اور تعلیم وغیرہ کے سلسلے میں وہاں جا پہنچتا ہے۔ وہاں اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

موت کی یاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لذاتوں کو مٹا ڈالنے والی (موت) کا اکثر ذکر کیا کرو۔“ (جامع الترمذی: ۲۳۰۷)

آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر کو

صحیح کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”دنیا میں یوں رہو جیسے اجنبی ہو (جس کی منزل کوئی اور ہے) یا راہ چلنے مسافر ہو۔“ (صحیح البخاری: ۶۳۱۶)

خود حضرت ابن عمرؓ نے کسی کو نصیحت کی تھی کہ ”شام ہو جائے تو صبح کا انتظار مت کرو۔ اور صبح ہو جائے تو شام کا انتظار مت کرو۔ تندرستی میں ایسا کچھ کر لو کہ بیماری میں کام آئے اور زندگی میں ایسا کچھ کر لو کہ موت کے بعد کام آئے۔“

اشکال:

کیا موت کو ناپسند کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرنا ہے؟

دفع اشکال:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس اشکال کے متعلق پوچھا تھا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو آدمی اللہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے، اللہ بھی اُس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کرنا نہیں چاہتا، اللہ بھی اُس سے ملاقات کرنا نہیں چاہتا۔“

میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے نبی! کیا اس سے مراد موت کو ناپسند کرنا ہے؟ کیونکہ موت کو تو ہم سب ناپسند کرتے ہیں۔“

فرمایا: ”نہیں، ایسی بات نہیں، مومن کو جب اللہ کی رحمت، رضائے الہی اور

جنت کے متعلق بتایا جاتا ہے تو وہ اللہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ تب اللہ بھی اُس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اور کافر کو جب اللہ کے عذاب اور اُس کی ناراضی کے متعلق بتایا جاتا ہے تو وہ اللہ سے ملاقات کرنا نہیں چاہتا، تب اللہ بھی اُس سے ملاقات کرنا نہیں چاہتا۔“

مطلب یہ کہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے پیار ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا متمنی رہتا ہے، لیکن اس ملاقات میں موت کی رکاوٹ ہے جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اللہ

تعالیٰ سے ملنا نہیں چاہتا۔ موت کو ناپسند کرنے کے باوجود وہ پیارے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شائق رہتا ہے۔ اُسے یقین ہوتا ہے کہ اُس کا پیارا اللہ اُس سے لطف و کرم کا معاملہ کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر کے خوش ہوگا۔

حقیقت:

”ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں جو موت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اُس کا سامنا کرنے کے لئے مناسب طور پر تیار رہتے ہیں۔“

○○○

مجالس تہذیبیاتی و نشریاتی اسلام کی ہندی پوسٹ کے

کتاب کا نام	لکھک	مूल्य
منسبے پگانہری	مो० से० अबुल हसन अली हसनी नदवी	100.00
नबियों के किस्से 1,2	"	120.00
नबी-ए-रहमत	"	250.00
दस्तूर हयात (जीवन का पथ-प्रदर्शक)	"	70.00
सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की	"	70.00
भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में	"	80.00
मदीने की डगर	"	70.00
मानवता का संदेश	"	50.00
मानवता का स्तर	"	50.00
अच्छे-अच्छे नाम अल्लाह के	"	25.00
इस्लाम एक परिचय	"	40.00
इस्लाम क्या है?	मौलाना मनजूर नोमानी	60.00
आदर्श शासक	मौलाना अब्दुस्सलाम किदवाई नदवी	35.00
तूफान से साहिल तक	मो० असद	50.00
मुहम्मद सल्लल्लाहु अलेहि वसल्लम	मौलाना सैय्यद मो० राबे हसनी नदवी	250.00
तोहफ-ए-रमजान	"	40.00
हमारे हुजूर	अमतुल्लाह तसनीम	20.00
इस्लाम और इस्लामी	मौलाना इलियास नदवी भटकली	35.00
सीरत सुलतान टीपू शहीद	"	220.00
Total		1635.00

Rate After Disc & Including Postal Charges 1000.00

Ph.: 0522-2741539, A/c: 10863759700, SBI Main Br. Lucknow, IFSC: SBIN000125

اولاد کی تربیت کیسے کریں؟

کے بچوں کے اخلاق اور اعمال کے بگاڑ کا سبب بنتی ہیں۔ تو جب گھروں میں ہی گناہوں اور اللہ سے دوری اور نافرمانی کے سالن مہیا ہوں تو اولاد کے سنورنے، سدھرنے اور نیک صالح بننے کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔ اس لئے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کریں اور پھر اپنے اہل و عیال کی، جیسے اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ میں ترتیب رکھی ہے کہ پہلے خود کی تربیت کرو اور بعد میں اپنے بچوں کی اصلاح پر بھی دھیان دو۔

کچھ لوگ صرف اپنی اصلاح کی فکر کرتے ہیں۔ صفِ اول میں نماز پڑھ رہے ہیں، تہجد کی پابندی کر رہے ہیں۔ اولاد گناہوں کے دلدل میں دھنسی ہوئی ہے مگر والدین کو کوئی خبر نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلے حصے پر تو خوب عمل کیا مگر اگلے حصے یعنی اولاد کی تربیت تک جانے کی ضرورت محسوس نہ کی، ایسے لوگوں سے اگر ان کی اولاد کے بارے میں بات کی جائے تو فوراً پسر نوح والی مثال دیں گے حالانکہ وہ پورا واقعہ نہیں جانتے کہ نوح علیہ السلام نے کتنا عرصہ اپنے بیٹے کو تبلیغ کی تھی۔

بچوں کی تربیت میں اہم چیز اچھی عادات کا پایا جانا اور بری عادات سے بچانا بھی شامل ہے۔ اگر بچہ کوئی غلطی کر رہا ہے تو والدین کو چاہئے کہ پیار سے اسے سمجھائیں اسے اس برائی کے نقصانات اور گناہ سے آگاہ کریں۔ ممکن ہے ایسا کرنے سے بچہ باز آجائے اگر پھر بھی وہ غلط عادت نہیں چھوڑتا

ہے۔ اگرچہ ظاہر اس میں کوئی عقل و شعور اور تمیز کچھ نہیں ہے، لیکن نہ تو اس کے سامنے کوئی برا کلمہ کہو اور نہ ہی کوئی بری حرکت کرو کیونکہ بچہ ہوش میں ہے۔ اس کا قلب سفید کاغذ کی مانند ہے۔ آنکھ کے ذریعے جو ہیئت جائے گی، دل پہ نقش ہو جائے گی۔

اگر کوئی بری بات گالی گلوچ سنے گا، وہ کان کے راستے دل تک پہنچے گی اور پھر بڑا ہو کر وہ بھی ایسی ہی حرکات کرے گا اس لئے بچوں کے سامنے تہذیب اور شائستگی سے بات کریں تاکہ ان میں اچھی عادتیں جنم لیں۔ اولاد کی اچھی تربیت کے بارے میں اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ”اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو جہنم کی آگ سے بچا۔“

اس آیت مبارکہ میں ایک کلمہ بیان کر دیا کہ پہلے اپنے آپ کو بچائے اور پھر فرمایا اپنے گھروالوں کو بچاؤ۔

آج کے والدین کہتے ہیں ہماری اولاد اچھی بن جائے لیکن خود کو نہیں بدلتے، بچوں کو اچھا ماحول نہیں دیتے۔ گھروں میں خود ایسی چیزیں لا کر رکھتے ہیں جو خود ان کے اور ان

اولاد کی اچھی تربیت والدین کا بنیادی فرض ہے۔ اسلام ہمیں یہ نہیں سکھاتا کہ بچے پیدا کر کے انہیں بے لگام چھوڑ دیا جائے بلکہ شریعت مطہرہ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ اولاد کی اچھی تربیت کی جائے تاکہ وہ آگے چل کر اچھے انسان بنیں۔ ایک کارآمد انسان ثابت ہوں، اچھے مسلمان بنیں۔ ماں کی ذمہ داری صرف بچے کو جنم دینے تک نہیں ہوتی، اصل ذمہ داری تو اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔

بچے کا سب سے پہلا مدرسہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ اگر ماں کی گود میں علم ہے تو بچہ عالم بنے گا اور اگر ماں سمجھدار ہے تو بچہ بھی سمجھدار ہوگا اور اگر ماں کی زبان پر جہالت ہے تو بچہ بھی جہالت کو آگے لے کر چلے گا۔ اس لئے میری ماؤں بہنوں کو علم سیکھنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ زمانہ قدیم کی کہات ہے ”مرد پڑھا فرد پڑھا، عورت پڑھی خاندان پڑھا“ لوگ کہتے ہیں کہ جب بچہ چار پانچ سال کا ہوگا تو اس کی تعلیم و تربیت شروع کریں گے، یہ خیال بالکل غلط ہے، تربیت کا وقت بچے کے پیدا ہوتے ہی شروع ہو جاتا

تو ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے اس کی وہ غلط عادت چمڑوانے کی کوشش کریں، ضرورت پڑنے پر بچوں کو اصلاح کی نیت سے مارا بھی جاسکتا ہے لیکن مقصد اصلاح کرنا ہی ہو۔

بعض لوگ بچوں کی غلط عادات پر خوش ہوتے ہیں اور اس طرح ایک غلط عادت اس کی پختہ ہو جاتی ہے۔ اگر بچے نے گالی نکال دی تو سارے گھر والے خوش ہوتے ہیں اور وہ بچہ بار بار گالی نکالتا جا رہا ہے اور ایک برائی کو برائی سمجھنے سے عاری ہے۔ اسی طرح بچے نے اسکول جانا شروع کیا، کلاس میں کسی بچے کی چیز پسند آئی، بچے نے اٹھا کر چھپائی۔ گھر لے آیا، ماں نے دیکھی اور دیکھ کر نظر انداز کر دیا۔ بچے کو دوبارہ کوئی چیز چھپانے کا موقع مل گیا۔ اسی طرح اس کی چوری کرنے کی عادت بن گئی۔ دوسرے بچوں کی چیزیں چھپانے کی۔ قصور کس کا؟

اسی ماں کا، اگر ماں اچھی تربیت کرنے والی ہوتی تو پہلی بار ہی بچے کے پاس ایک ایسی چیز جو اس کی نہیں ہے اسے دیکھ کر فوراً پوچھتی کہاں سے آئی؟ کس سے لی؟ کیوں لی؟ جس کی ہے، اسے واپس کرو۔ ایسا کرنا گناہ ہے۔ بچے کو ڈر ہوتا۔ جب ایک دفعہ ایسا کرتے تو اسے دوبارہ کچھ چھپانے کا یا چوری کرنے کا موقع ہی نہ ملتا، اسی طرح بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جنہیں ہم یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ بچہ ہے بڑا ہوگا تو سمجھ جائے گا لیکن وہ بڑا ہو کر سمجھتا نہیں۔ آپ کو سمجھاتا ہے، آپ کی آنکھیں کھول جاتا

ہے۔ اس لئے روز اول سے ہی اپنے بچوں کی بری عادتوں کو ان کے اندر سے ختم کرنے کی کوشش کریں اور اچھی عادات پیدا کریں۔ اچھی عادات پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بچے کو دلیل کے ساتھ پیار سے اپنی بات سمجھائی جائے۔ بچے کو اچھی کاموں کا حکم دینے کے بجائے بچے کے دل میں اس کام کی محبت پیدا کریں۔ بچے کو مجبور نہ کریں کہ آپ کو فلاں کام کرنا ہے بلکہ اس کے سامنے اس کام کی اور کام کرنے والوں کی تعریف کریں تاکہ اس کے دل میں محبت پیدا ہو اور وہ خود بخود ایسا کرنے لگے۔

جیسا کہ بچوں کو اگر کہا جائے کہ فلاں بچہ اتنا اچھا ہے وہ فلاں فلاں کام کرتا ہے۔ تو بچہ فوراً اس کا اثر لے گا۔ میرا پنا ذاتی مشاہدہ ہے کہ اگر بچوں سے زبردستی کوئی کام لیا

جائے پابندی کروائی جائے سر پہ ڈنڈا کھڑا کیا جائے تو وہ بچہ وہ کام ڈر سے کر لے گا لیکن ڈر ختم، پابندی ختم، مثال کے طور پر بچے کو نماز پڑھنے کا کہا باپ ساتھ لے کر جاتا ہے سختی کرتا ہے اور بچہ ڈر سے نماز پڑھ لیتا ہے لیکن وہی بچہ جب شعور کی زندگی میں قدم رکھتا ہے۔ اپنے بھلے برے کی تمیز کرنے لگتا ہے، تو وہ نماز پڑھنا چھوڑ دیتا ہے۔ کیونکہ اس کو پتا ہی نہیں کہ نماز پڑھنے پر اللہ کی طرف سے کیا کیا انعامات ملنے ہیں اور ناسے یہ معلوم ہے کہ اگر نماز نہ پڑھی، تو اللہ کو کیا جواب دے گا۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کی تربیت اس طرح دلیل اور منطق سے کریں کہ انہیں اچھی عادات کے ساتھ ساتھ ان کے فوائد اور بری عادات کے نقصانات کا بھی علم ہو۔

○○○

محترم قارئین کرام

ماہ جون 2018 سے رضوان کے سالانہ زرتعاون میں 100/- روپے کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ رضوان کا اب سالانہ زرتعاون مبلغ 300/- روپے ہوگا۔ کاغذ اور طباعت میں اضافہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً یہ اضافہ کرنا پڑا، امید ہے کہ قارئین رضوان اس کو بخوشی قبول فرمائیں گے۔

والسلام

منیجر رضوان

سالانہ زرتعاون 300/- روپے

فی شمارہ 30/- روپے

الحسنی ہولڈر حضرات فتنے شرح نوت فرمالمیں۔

ایک مثالی زندگی

اجتہاد کی دعوت دیتے ہوئے کہا ہے: ”لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنیۃ“ مولانا اسی اسوۃ نبوی کا بہترین نمونہ تھے، آپ کی زندگی مثالی تھی، زہد و تقویٰ ان کا شعار تھا، تواضع و انکساری آپ کی خاص صفت تھی، کم آیزی و کم گوئی طبیعت ثانیہ تھی، عیب جوئی سے پاک، ریا کاری اور نام و نمود سے کوسوں دور رہے، اخلاق حسنہ کا پیکر تھے، حلم و مروت کا نمونہ تھے۔

حضرت مولانا اسی کے ساتھ خاندانی تعلقات کو نبھانے والے تھے، خاندان کے بچوں کے لیے انتہائی شفیق اور محبت کرنے والے بزرگ خاندان تھے، اسی طرح اپنے طلبہ کے لیے شفیق استاد اور ان کے مسائل کو حل کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

آپ کی خاص صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و شینگی اور اجتہاد سنت تھی، اسی کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت و عقیدت میں خاص امتیاز رکھتے تھے اور اس بارے میں ذرا سی کوتاہی کو برداشت نہیں کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبہ میں ذرا سی کمی کو ایمان کی کمزوری جانتے تھے اور آپ نے اپنی وفات سے چند روز قبل صحابہ کرام کے حالات پر کتاب ”صحابہ کرام ہکی مثالی زندگی“ بھی تحریر کی تھی جو اس میدان میں روشن چراغ کی حیثیت رکھتی ہے۔

(بقیہ..... صفحہ..... 41..... پر)

نظری کا گزر نہیں تھا بلکہ اسلام کی خدمت جہاں بھی ہو رہی تھی، اس کی قدر کرتے اور ہمت افزائی کرتے تھے۔

حضرت مولانا وقت ضائع نہیں کرتے تھے، فضول گوئی، مجلس آرائی سے دور تھے، پڑھنے پڑھانے اور استفادہ و افادہ کی مشغولیت یا پھر تحریر و مقالہ نویسی اور طلبہ کی تعلیم و تربیت سے ہمیشہ مطلب رکھا، دوسروں کی عیب جوئی تو بہت دور کی بات ہے، آپ کے یہاں تو ان مباح امور کی بھی گنجائش نہیں تھی جو نہ دنیا میں سود مند اور نہ ہی آخرت میں کارآمد ہوتے ہیں، علم کی خدمت، عبادت اور حسن سلوک آپ کی خاص صفت تھی۔

تعلیم و تربیت کے باب میں سب سے موثر چیز اسوۃ حسنہ ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اس کی سب سے جامع اور مکمل مثال ہے، قرآن کریم نے ایک طرف آپ کے حسن اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے: ”انک لعلی خلق عظیم“ اور دوسری طرف آپ کے اسوہ کی

عم محترم و مکرم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ساخنہ ارتحال پوری ملت اسلامیہ خصوصاً ندوۃ العلماء کے لیے عظیم خسارہ ہے، مولانا اپنی ذات میں ایک انجمن اور علم و حکمت اور دانش و آگہی کا ایک سمندر تھے، ادب و صحافت، اسلامی فکر و ثقافت اور مغربی فکر و ثقافت کے جائزہ کے میدان میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔ عربی زبان و ادب کے پہلو بہ پہلو اسلامی فکر اور مغربی فکر مولانا کا خاص موضوع تھا، آپ کا علم و فضل بہت گہرائی لیے ہوئے تھا اور ادب مولانا کی زندگی کا کوئی تفریحی مشغلہ نہیں تھا، بلکہ دین کی خدمت کا ذریعہ تھا۔

عم محترم کی ایک اہم خصوصیت علم میں وسعت و گہرائی ہے، آپ نے اپنا مطالعہ کبھی کسی ایک فکر و خیال یا ایک تہذیب و تمدن تک محدود نہیں رکھا، بلکہ ”خذا ما صفا و درع ما کدر“ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے مختلف جہتوں سے فائدہ اٹھایا، عم محترم کے یہاں تعصب و گروہ بندی یا تنگ

ایسا کہاں سے لاؤں تجھ سا کہوں جسے

اللہ تبارک و تعالیٰ کے کچھ خاص بندے ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر اللہ اپنا بڑا افضل فرماتا ہے، یہ وہ بندے ہیں جو کوئی کام بھی ریا کاری کے لئے نہیں کرتے بلکہ ان کا ہر کام اللہ فی اللہ اور ابتغاء لوجه اللہ ہوتا ہے، یہ اللہ کے وہ بندے ہیں جن کے لئے لوگوں کے دلوں میں منجانب اللہ محبت و چاہت اور ان کے ساتھ ایک خاص طرح کا لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے، اللہ اپنے ان بندوں سے دین اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی تذکیر و تبلیغ کا وہ عظیم الشان کام لیتا ہے جس پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

چھوٹے ابا (راقم کے پرانا سید محمد ثانی حسنی نور اللہ مرقدہ کے برادر اصغر تھے) (حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ) میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے وہ خصوصیات و امتیازات رکھے تھے جو ان کے مقبول عند اللہ ہونے پر دال تھے، آپ کم گو مگر معاملہ شناس تھے، جب بولتے تو قولوا قولاً سدیداً پر عمل کرتے ہوئے بولتے، آپ نے کوئی کام شہرت کے حصول اور ریا کاری کے لئے نہیں کیا، بلکہ آپ کا عمل تو حدیث نبوی

صلی اللہ علیہ وسلم ”من تصدق بعدتہ حتی لا تعلم مثاله ما تحقق یمینہ“ کے تحت تھا، آپ اپنے علمی رسوخ کے باوجود بے انتہا سادگی پسند تھے، آپ بے نفی و تواضع میں اپنی مثال آپ تھے، چھوٹے ابا کی پوری زندگی عباد الرحمن (سورۃ الفرقان کی آیات ۶۳، ۶۴، ۶۵ کی جانب اشارہ ہے) کی پیکر تھی، آپ ایثار کو پسند فرماتے اور خود بھی اسی پر عامل تھے، اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے اگرچہ نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے، چھوٹے ابا کی شخصیت شہرت اور نام و نمود سے کوسوں دور علم و ادب اور اعمال صالحہ کا عدیم المثال مجسمہ اور نمونہ تھی آپ اسلاف کی یادگار اور ان کے معتدلیہ تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ چھوٹے ابا صلہ رحمی کا خاص خیال رکھتے تھے اور رشتہ داروں سے ملاقات کرنے ان کے گھروں پر جاتے تھے، ہمارے گھر (چودھری گڑھیا) بھی بارہا تشریف لائے، رواں سال محرم میں ابا (مولانا عبدالعظیم فاروقی صاحب دامت برکاتہم) اچھے ابا (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

صاحب دامت برکاتہم) اور چھوٹے ابا سے ملاقات کے لئے ندوہ گئے اور یہ بتایا کہ میں اور ان (راقم المحروف) کی دادی عمرہ کرنے چارہے ہیں تو چھوٹے ابا نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم ریحانہ (راقم کی دادی) سے ملنے آئیں گے، اور یہ آپ کی ہمارے گھر پر آخری آمد تھی، ہم اور محمد میاں وغیرہ کبھی ملاقات کے لئے جاتے تو بڑی محبت و شفقت سے پیش آتے اور واپسی کے وقت کبھی پھل کبھی اور کوئی چیز دے دیتے اور کہتے کہ تم دونوں کھا لینا، چھوٹے ابا کو قرآن سے بہت لگاؤ تھا جب خاتون منزل آتے تو کسی سے تلاوت کرواتے اور خود سنتے راقم السطور کو یہ شرف حاصل ہے کہ چھوٹے ابا نے مجھ سے تلاوت بھی کروائی ہے اور نماز کی امامت بھی۔ چھوٹے ابا نے اپنی پوری زندگی علم کے حصول اور دین کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کر دی تھی، جس وقت آپ نے میدان عمل میں قدم رکھا اس وقت کا سب سے بڑا چیلنج مغربی تہذیب کے اثرات سے کیسے محفوظ رکھا جائے، اور لوگوں کے دلوں سے اسلام کی نفرت و عداوت کو کیسے دور کیا جائے، اس کے لئے امت کے تعلیم یافتہ طبقہ کو موجودہ دجالوں کی دسیسہ کاریوں، مکاریوں اور ان کے دجل و فریب سے واقف کرانا اور مغربی تہذیب کی حقیقت اور اس کے نقصانات اور معاشرہ پر (بقیہ..... صفحہ..... 41..... پر)

کون ہے جو اللہ کو اپنا قرض دے

اور ہم تنگی یا محتاجی میں مبتلا ہو جائیں گے، تنگی یا وسعت پیدا کرنا تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔

واقعی کتنا نفع بخش سودا ہے کہ اگر انسان اللہ کی رضا کے لیے اس کی دی گئی نعمت کو خلق خدا پر خوشی خوشی لٹاتا رہے اور بدلے میں مخلوق کے بجائے اپنے خالق سے ہی اجر کی امید رکھے تو اس کو اجر تو ملے گا ہی ساتھ ہی اس کے مال و دولت میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا۔

عہد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرتے تھے۔ اور انہیں نہ مال میں کمی کا ڈر ہوتا تھا، نہ آئندہ کے گزارے کی فکر ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب سورہ الحدید کی مذکورہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوالدرداء انصاری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ وہ کہنے لگے کہ اپنا مبارک ہاتھ مجھے بکوا دیجیے (تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر ایک وعدہ کروں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا، انہوں نے عہد کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ

سورۃ الحدید (آیت: ۱۱) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ ذَا الَّذِي يُقرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعُّهُ لَهُ وَ لَآ أَجْرٌ كَرِيمٌ۔ ”کون ہے جو اللہ کو قرض دے، اچھا قرض، تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اس کے لئے بہترین اجر ہے۔“

اس آیت میں قرض حسنہ یعنی اللہ کو اچھے طریقہ سے قرض دینے سے مراد اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا ہے۔ اس کو قرض اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ جیسے قرض کی ادائیگی اور واپسی ضروری ہوتی ہے، اسی طرح اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب اور بدلہ ضرور ملتا ہے، اچھے طریقے سے ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کو راضی کرنے کے لئے دیا جائے، دکھاوا یا واپسی کی امید رکھنا مقصود نہ ہو۔ اور اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہوئے اس بات سے نہیں ڈرنا چاہئے کہ مال میں کمی ہو جائے گی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں جن نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں سے ایک مال و دولت بھی ہے۔ اور دیگر نعمتوں کی طرح مال و دولت جیسی نعمت پر بھی اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ اس نعمت پر شکر ادا کرنے کی صورت یہی ہے کہ اسے اسی طرح خرچ کیا جائے جس طرح خرچ کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اے ایمان والو! جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے وہ دن آنے سے پہلے (اللہ کے راستے میں) خرچ کر لو جس دن نہ کوئی سودا ہوگا نہ کوئی دوستی کام آئے گی، اور نہ کوئی سفارش ہو سکے گی۔ (سورہ البقرہ: ۲۵۴)

اللہ تعالیٰ نے کتنے اچھے انداز میں اپنے بندوں کو مال خرچ کرنے پر ابھارا ہے کہ اس نے جو مال انہیں عطا کیا ہے اسے نیک کاموں میں خرچ کر لیں تاکہ قیامت کے دن رسوائی سے بچ سکیں۔

پکڑ کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنا باغ اپنے اللہ کو قرض دیدیا۔ ان کے باغوں میں کھجوروں کے چھ سو درخت تھے، اور اسی باغ میں ان کے بیوی بچے رہا کرتے تھے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر اپنے باغ میں گئے اور اپنی بیوی کو آواز دی کہ چلو اس باغ سے نکل چلو میں نے یہ باغ اپنے پروردگار کو قرض دے دیا ہے۔ (سبحان اللہ) کیا پختہ یقین اور ایمان کامل موجود تھا ہمارے صحابہ کرام کے دلوں میں کہ آیت کا مفہوم سنتے ہی اپنی قیمتی متاع اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے فوراً تیار ہو گئے اور صرف صحابی ہی نہیں ان کی بیوی بھی اس نیکی میں ان کے ساتھ باسانی شریک ہو گئیں، نہ تو شکوہ کیا نہ ہی اس بات کی فکر کہ اب ہمارا کیا ہوگا؟

ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد کے مختلف موقعوں پر بھی جس طرح صحابہ کرام نے جانوں کے ساتھ ساتھ مالوں کی قربانیاں پیش کیں وہ ہم مسلمانوں کے لئے ایک درس عظیم ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے مال و دولت کی فراوانی ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کو اپنا مال اچھے کاموں میں خرچ کرتے رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کو ہمارے مال و دولت کی کوئی ضرورت نہیں وہ تو ہمارے اخلاص و نیت کو دیکھتا ہے کہ ہم کتنی خالص نیت کے ساتھ اس کے حکم پر عمل کر رہے ہیں؟

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں سے اس بات کا تقاضہ کیا ہے کہ وہ اپنی جان سے بھی زیادہ قیمتی چیز اس کی راہ میں صدقہ کر کے مجبور، یتیم، بے سہارا مسلمانوں کی مدد کریں، اس نیت کے ساتھ کہ اس کا اجر ہمیں اللہ دینے والا ہے، لیکن اپنے پروردگار کے اس تقاضے کو، اس اعلان کو ہم مسلمان ابھی تک سمجھ ہی نہیں پائے ہیں، سمجھتے بھی کیسے۔ ابھی نہ تو ہماری مال و دولت سے رغبت کم ہوئی ہے، نہ ہی بینک بیننس ہماری خواہشات کے مطابق پڑ ہوئے ہیں، اور نہ دنیا کی لذتوں سے ہم پوری طرح لطف اٹھا سکے ہیں۔ پھر اگر ایسے میں اپنے مال و دولت کا تھوڑا سا حصہ قرض حسد کے طور پر دے دیا جائے تو پتہ نہیں اس کی بھر پائی کے لئے کتنے دن اپنی خواہشات کو دباننا پڑے۔

آج امت مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ انفاق فی سبیل اللہ کے فرض سے غافل ہے۔ بعض حضرات ضرورت مندوں کی مدد کے لئے تیار تو رہتے ہیں لیکن ساتھ ہی انہیں اپنی نمائش بھی مقصود ہوتی ہے۔ اگر کسی حاجت مند کی تھوڑی سی مالی مدد کردی تو اس موقع پر تصاویر کھنچوانا اور اسے اخبارات کی زینت بنانا بھی یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ یہی حال بعض نام نہاد بیت المالوں اور فلاحی اداروں کا بھی ہے۔ خدمت کے نام پر عوام سے زیادہ وصولنا اور ضرورت

مندوں کو کم دینا، عوامی پیسے (زکوٰۃ یا کسی مدد کی رقم) کو ریاکاری، نام و نمود اور شہرت کے لئے اشتہار بازی پر خرچ کرنا، کسی بھی صورت جواز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسی نمائش کرنے والوں سے کوئی غرض نہیں۔ وہ تو چاہتا ہے کہ اگر ہم دائیں ہاتھ سے کچھ دیں تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو سکے۔ یقیناً انسان کو خلوص دل سے معمولی سا صدقہ کرنے پر جو خوشی حاصل ہو سکتی ہے، وہ سب کو دکھا کر نہیں ہو سکتی۔

روزانہ ہمارا سا بقہ ایسے کئی افراد سے ہوتا ہے جو ہماری توجہ کے مستحق ہوتے ہیں، چاہیں وہ ہمارے گھروں میں کام کرنے والی ملازمہ ہو، سبزی فروش ہول ٹیلیوں پر ضرورت کا چھوٹا موٹا سامان بیچنے والے افراد ہوں یا گلیوں میں صدائیں لگانے والے فقیر ہوں۔ ان تمام کی بھی وہی ضرورتیں ہوتی ہیں جو ہماری ہوتی ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ ہمارے پاس ضرورتوں کو پورا کرنے کے وسائل ہوتے ہیں اور انہیں وہ میسر نہیں ہو پاتے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کو مد نظر رکھ کر ان جیسے کسی ایک مستحق کے لئے قرض حسن کے طور پر اپنے مال و دولت کا کچھ حصہ صرف کر دیں تو اس سے ہمارے مال میں کوئی کمی واقع نہیں ہونے والی بلکہ اللہ رب العزت اس میں اضافہ ہی فرمائے گا۔ تو کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے؟

چھوٹے ابا کی شخصیت کے چند نمایاں پہلو

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ہمارے نانا حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی کے چھوٹے بھائی تھے اور ہمارے دادا جناب سید محمد مسلم حسنی رحمہ اللہ علیہ کے ماموں زاد بھائی تھے، اپنے دونوں بھائیوں حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید محمد راجح حسنی ندوی دامت برکاتہم سے چھوٹے تھے اسی وجہ سے ہم لوگ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنیؒ کو چھوٹے ابا کہتے تھے۔ وہ ہم سب پر بے پناہ شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، کبھی بھی اپنے حقیقی پوتوں سے کم نہیں سمجھا۔ وہ ہم سب کے مربی تھے، ہماری والدہ ان کی بڑی چھٹی بچی تھیں، جس دن بھی خاتون منزل آتے تھے، ضرور ہمارے گھر تشریف لاتے، بارہا انہوں نے اس کا اظہار بھی کیا کہ ہم امامہ کی وجہ سے تمہارے گھر آتے ہیں، امامہ ہر بار گھر آنے کی دعوت دیتی تھیں، بہت کثرت سے والدہ صاحبہ کا تذکرہ کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ہم سب کے ساتھ بہت شفقت فرماتے، تعلیم کا خیال رکھتے، تفسیر سے اختصاص

کرنے کا حکم دیا بلکہ جب ہم فارم لے کر کلیۃ اللغۃ العربیہ کے دفتر چھوٹے ابا سے داخلے کے تعلق سے دریافت کرنے آئے تو چھوٹے ابا نے اس فارم پر تفسیر لکھ دیا اور فرمایا تمہیں فائدہ ہوگا، موقع بہ موقع آپ رہنمائی فرماتے رہے، مختلف اہم نقاسیر اور علوم تفسیر کی بعض کتابوں کی نشاندہی کرتے، سید قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی "التصویب الفنی فی القرآن الکریم" پڑھنے کو ہی اس کی تعریف کرتے بارہا پوچھتے رہتے، اسی سال مقابلے کے موضوع کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو آپ نے ایک اہم موضوع "أهمات کتب التفسیر مقلونۃ المنافع لہا دوا" محنت کے ساتھ مطالعہ لکھنے کی تاکید کی جبکہ ہمارے مقالہ کے مشرف مولانا عبد اللہ حسنی ندوی رحمہ اللہ تھے۔ جب ماموں بھیا (مولانا عبد اللہ حسنی ندوی رحمہ اللہ علیہ) کو معلوم ہوا کہ موضوع مولانا واضح صاحب نے دیا ہے تو ماموں بھیا نے "چھوٹے ابا" کے زیر اشراف مقالہ لکھنے کو کہا اور فرمایا تمہیں مولانا واضح رشید صاحب کے زیر اشراف

مقالہ لکھنے میں بہت فائدہ ہوگا۔ وہ اس وقت تفسیر کے امام ہیں۔ مولانا نے اسی دوران ہاشم محمد سعید کی "معجزات قلب القرآن" مطالعہ کے لیے دی، یہ اعجاز القرآن کی منفرد کتاب ہے، ایک خاص اسلوب میں ہے، قرآن مجید کی ہر آیت اپنے اندر ایک شان اعجازی رکھتی ہے لیکن بعض آیات میں یہ شان زیادہ نظر آتی ہے، اس طرح اس کتاب میں بعض آیات اور سورہ طہ میں کی آیات کے معجزات بیان کیے گئے ہیں، مولانا کو قرآن مجید سے شروع سے ہی تعلق رہا، وہ قرآن مجید کے عاشق تھے، ان کی زندگی روح قرآن سے سرشار تھی، تلاوت کرتے تو سراپا تہذیب بن جاتے، جب بیٹائی کمزور ہوتی تو پابندی سے قرآن مجید سننے کا معمول بنایا۔ اس میں کسی بھی دن ناغہ نہیں ہونے دیا، بڑے ذوق و شوق کے ساتھ قرآن مجید سنتے تھے، نمازوں میں تو آپ ہر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی جس کی گہرائیوں میں گھوم جاتے۔ قرآن مجید سے غیر معمولی شغف، عربی زبان و ادب کے اعلیٰ ذوق کے سبب سے تھا۔ عربی زبان عرب کے وہ امام تھے۔ جس نے ان کو قرآن مجید کا عاشق اور قرآن کا غلام بنا دیا تھا کیونکہ وہ قرآن کے ادبی اعجاز سے بخوبی واقف تھے، اس سب کے باوجود قرآن مجید کی عظمت کی وجہ سے اس کا ہر حصہ ترجمہ اور مستحق بیان کرنے سے اجتناب کرتے۔ ایک دفعہ راتم مولانا کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ ایک پاکستانی عالم مفتی سعید صاحب نے مولانا سے قرآن کے ترجمہ کرنے کی فرمائش

کی۔ مولانا کسی بھی طرح تیار نہیں ہوئے، ان کے برابر اصرار پر معذرت ہی کرتے رہے جب کہ وہ اس کے اصل حقدار تھے۔ قرآن فہمی میں منفرد شان رکھتے تھے۔ قرآن کے فہم کا اصل دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب کوئی بغیر ذریعہ قرآن کے صاحب قرآن سے ہم کلام ہو۔ مولانا اس کی عملی تصویر تھے۔ تلاوت کے دوران ان پر ایسی کیفیت و محویت طاری ہوتی کہ وہ بے خود ہو جاتے۔ قرآن کے مقصود تک پہنچ جاتے۔ ہم اس کے چند نمونے آپ کو دکھاتے ہیں جو قرآن سے متعلق مولانا کی بہترین تصویر ہے۔ سورہ مائدہ کی آیت الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمة طيبة کس جرة اصلها ثابتة و فرعها فی السماء تؤتی اکلها کل حین باذن ربها اس آیت کے تعلق سے مولانا نے جو سوچ دی اور اسلام کی مکمل نظام زندگی کا جو کس عطا کیا وہ سوچنے سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے، اس آیت کو پڑھ کر مولانا نے ذہن میں ایک نقشہ بنایا، نقشہ ایسا بنایا کہ اسلام کو ایک درخت تصور کیا اور اس کی تعلیمات کو جو زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق ہیں، شاخیں تصور کیا جو پوری زندگی پر محیط ہیں، یہ اسلامی نظام زندگی کی بہترین تصویر ہے، اس اسلامی نظام زندگی پر عمل پیرا ہو کر توتی اکلها کل حین باذن ربها کا مصداق ہو سکتا ہے۔ یہ ایسا فہم ہے جو فرمان نبوی سے ہم آہنگ ہے، بکر سلیم اور اصابت رائے کا مظہر ہے۔

دوسری جگہ مولانا نے کنتم خیر امة

اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون باللہ میں یہ نکتہ بیان کیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ ایمان کا جزء لاینک ہیں، یہ پہلے مرحلے ہیں، ان مرحلوں سے گزر کر ایمان بنتا ہے، مولانا کے فہم بلیغ نے جو نکتہ سمجھا اور جو نتیجہ اخذ کیا وہ آیت قرآنی سے قریب تر معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح مولانا کی مجلسوں میں نادر باتیں ملتی تھیں جن میں مولانا امتیاز رکھتے تھے۔ مولانا نے مغرب کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اس کے ماہرین تعلیم کے نظریہ کا بخوبی مطالعہ کیا تھا اور قرآنی آیات کے ذریعہ ان کے کھوکھلے اور پسمیسے نظریہ پر ایسی ضرب لگائی جس نے ان کے باطل نظریہ کی کمر توڑ دی۔

مغرب کا انسان کے متعلق نظریہ یہ ہے کہ انسانی حیوانی فطرت ترقی پذیر امتداد ہے اسی لیے اس کو دنیاوی مقاصد اور جنسی خواہشات کی تکمیل آزادی کے ساتھ انجام دینے کی اجازت ہے۔ اسی طرح وہ انسان کو حیوان سے بھی بدرجہ پر پہنچا دیتے ہیں۔

مولانا نے قرآن مجید کی یہ آیت ولقد کرمننا بنی آدم و حملناہم فی البدر و الرزقناہم من الطیبات و فضلناہم علی کلین ممن خلقنا تفضیلاً کے ذریعہ مغربی افکار و نظریات کی بیخ کنی کر دی۔ مغربی فکر اور اس کے نظریات سے متاثر لوگوں کے دماغ کی چولیس ہلا دیں۔ مولانا ایک مفکر و مفکر تھے ایک معلم و مربی تھے، ایک مسلمان مرشد تھے ایک ادیب تھے ایک ذہن ساز تھے جس نے ہزاروں ذہنوں کو جلادی، ہزاروں دماغوں کو شہ زوری دی۔ جس نے باطل کے افکار و نظریات کا قلع قمع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مولانا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، مولانا کی خدمات کو قبول فرمائے اور ہم سب کے سر پرست ملت اسلامیہ ہندیہ کے قائد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کو سایہ صحت و عافیت کے ساتھ تا دیر سلامت رکھے، آمین۔

○○○

اطلاع

مدرسہ ضیاء العلوم کے سفیر جناب حافظ رئیس صاحب اس وقت بمسئول کے سفر پر ہیں۔ بمسئول، منٹکی اور مرڈیشور کے رضوان کے قارئین سے گزارش ہے کہ جو رقم جمع کرنا چاہیں وہ ان کو رقم دے کر رسید حاصل کر سکتے ہیں۔

موبائل: 8887048801

سوال و جواب

سال گزر چکا ہو آپ یہ بتائیں کہ یہاں چاند کے اعتبار سے سال گزرنامراد ہے یا انگریزی مہینوں کے اعتبار سے سال گزرنامراد ہے؟
ج: زکوٰۃ چاند کے مہینوں کے اعتبار سے سال گزرنے پر واجب ہو جاتی ہے، اس میں شمسی مہینوں کے اعتبار سے سال گزرنامراد نہیں ہوتا۔ (ہندیہ-۱/۱۷۵)

ص: بھن بھائی چچا اور خالہ اگر محتاج ہوں تو ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے؟

ج: مذکورہ بالا رشتہ داروں کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ صاحب نصاب نہ ہوں محتاج ہوں اور سادات میں سے نہ ہوں، صرف اصول یعنی ماں باپ دادا دادی، تانائیاں وغیرہ اور فروغ یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسہ نواسی وغیرہ نیز شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ بقیہ رشتہ داروں کو دی جاسکتی ہے، بلکہ ان کو دینے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ دگنا ثواب ہے، ایک صدقہ کرنے کا دوسرا صلہ رحمی کرنے کا، اور زکوٰۃ دیتے وقت یہ بتانا بالکل ضروری نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے۔ (ہندیہ-۱/۱۸۸، ۱۹۰، شامی-۲/۱۱)

ص: اپنی ساس (بیوی کی ماں) کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

ج: ساس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بشرطیکہ محتاج ہو، لیکن بیوی جہ زکوٰۃ نکالے وہ اس کو نہیں دے سکتی اس لئے کہ وہ اس کی ماں ہے اور ماں کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ (ہندیہ-۱/۱۸۸)

ص: بعض دوائیں بھاپ کے ذریعہ منہ کے اندر داخل کی جاتی ہیں۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایلٹے ہوئے پانی میں دوا ڈال دی جائے اور بھاپ منہ اور ناک سے کھینچ لی جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بھاپ مشین کے ذریعہ منہ اور ناک میں دوا داخل کی جائے، روزہ کی حالت میں اس طرح دوا لینا کیسا ہے؟
ج: روزہ کی حالت میں خواہ بغیر مشین کے بھاپ منہ اور ناک سے لی جائے یا مشین کے ذریعہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن سخت ضرورت کی حالت میں اس طرح دوا لی جاسکتی ہے۔ (شامی-۲/۱۲۲، نئے مسائل ارنج-ص-۸۸)

ص: تے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

ج: تے اگر خود بخود ہو جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا چاہے منہ بھر کے ہو یا اس سے کم ہو۔ اور اگر جان بوجھ کر تے کی (مثلاً منہ میں انگلی وغیرہ ڈال کر) تو منہ بھر کے تے کرنے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ منہ بھر نہ ہو تو منہ سے تے کے مطابق روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر خود سے منہ بھرتے ہوئی اور اس نے حان بوجھ کر اس کو نگل لیا تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (شامی-۲/۱۲۰، ۱۲۱)
ص: زکوٰۃ جھمی واجب ہوتی ہے جب مال پر

ص: دل کے مریضوں کو ڈاکٹر ایک دوا تجویز کرتے ہیں جس کو زبان کے نیچے رکھنا ہوتا ہے کھایا نہیں جاتا، یہ دوا زبان کے نیچے رکھ کر اگر لعاب حلق کے نیچے نہ جانے دے تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟

ج: اگر زبان کے نیچے دوا رکھنے کی ضرورت ہو اور اس کا پورا اہتمام کیا جائے کہ لعاب حلق کے نیچے نہ جانے پائے تو اس دوا کو رکھنا بلا کراہت جائز ہوگا اور روزہ بھی نہیں ٹوٹے گا۔ لیکن اگر دوا کے اجزاء لعاب کے ساتھ مل کر حلق کے نیچے اتر گئے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (المحرر المراقب: ۲/۳۹۷، شامی-۲/۱۲۲ نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے-ص-۸۸)

ص: سانس اور دمہ کے مریضوں کے لئے ایک آلہ (اشیاء) رائج ہے جس کے ذریعہ دوا سیدھے پیچھڑے میں پہنچ جاتی ہے اور مریض کو فوری آرام مل جاتا ہے، روزہ کی حالت میں اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

ج: اس آلہ کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر استعمال کی سخت حاجت و ضرورت ہو تو استعمال کر لے لیکن اس دن کے روزہ کی قضاء کر لے۔ (شامی-۲/۱۰۶، نئے مسائل ارنج-ص-۸۸)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

عیسائی مشنری کے ڈاکٹر کا افریقہ میں قبول اسلام

۳۶ سالہ جرمن آئی سرجن جی میشل کو افریقی مسلمانوں کو گمراہ کر کے عیسائیت کے دائرے میں داخل کرنے کا مشن سونپ کر صومالیہ جانے کا حکم دیا گیا۔ سرجن جی میشل کو ڈاکٹروں کی ٹیم کا سربراہ بنایا گیا، جنہیں بظاہر صومالیہ میں پھوٹ پڑنے والی آنکھوں کی بیماری کا علاج کرنا اور صومالی مسلمانوں کو اس بیماری سے بچاؤ کی تدابیر سے آگاہ کرنا تھا۔ جی میشل ۱۹۸۷ء کے درمیانی مہینوں میں اپنی ٹیم کے ہمراہ صومالیہ منتقل ہو جاتے ہیں۔ آئیے ڈاکٹر جی میشل کی صومالیہ میں پراسرار سرگرمیوں اور خفیہ مشن سے متعلق واقعات خود انہیں کی زبانی سنتے ہیں جو انہوں نے حال ہی میں ایک نشریاتی ادارے سے بات چیت کرتے ہوئے آشکار کئے ہیں۔

ڈاکٹر جی میشل کہتے ہیں کہ میرے لئے صومالیہ کا سفر اور وہاں کے لوگوں سے ملاقات انتہائی دلچسپ رہی۔ مجھے نہیں معلوم

کہ میرے وجود میں پھیلی اس خوشی کی اصل وجوہات کیا تھیں، معلوم نہیں کہ اس خوشی کا راز کس بات میں پنہاں تھا۔ میری صومالیہ آمد پر وہاں کے مصوم لوگوں کی جانب سے دلفریب استقبال کی وجہ سے تھی کہ شدید بھوک اور افلاس کے باوجود ان غیرت مند لوگوں میں عزت نفس بدستور موجود تھی۔ میری خوشی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ ان لوگوں کے چہروں سے مصومیت کے علاوہ امانت اور صداقت بھی صاف عیاں تھی۔

اپنی ٹیم کو لے کر صومالیہ پہنچنے کے فوری بعد ہم نے اپنے طبی مراکز کا آغاز کر دیا اور انتہائی محنت و لگن کے ساتھ وہاں پھیلی آنکھوں کی بیماری کے خلاف کام شروع کر دیا۔ درج بالا عوامل کی بنا پر یہ طبی مرکز میرے لئے زیادہ دلچسپ تھا، اسی لئے میں زیادہ تر طبی مرکز ہی میں رہتا تھا۔ ہم اپنے کام میں اتنے مشغول رہے کہ میں عیسائیت کے پرچار اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے

مشن ہی کو بھول گیا۔ بہت کم عرصے میں ہی یہاں کے متعدد مسلمان میرے اچھے دوست بن گئے، وہ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتے اور میں بھی ان سے اپنی مشکلات کے حل کے حوالے سے کچھ نہ کچھ پوچھتا رہتا تھا۔ لوگوں کے علاج معالجے میں کسی قسم کی کسر نہ چھوڑنے کی بنا پر میں نے عام لوگوں میں انتہائی مقبولیت حاصل کر لی، اپنے پیٹھے میں مہارت کے سبب میں نے سیکڑوں لوگوں کو نابینا ہونے سے بچانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ جہاں بھی جاتا اور جن لوگوں سے بھی ملتا، مجھے بہت پیارا اور عزت دی جاتی، اگرچہ میں ان کی زبان سے نا آشنا تھا، تاہم ان لوگوں کے چہرے کے تاثرات میرے دامن کو عقیدت کے پھولوں سے بھر دیتے تھے۔

پانچ مہینے اسی طرح گزر گئے لیکن ایک دن خلاف توقع ہمارے مرکزی دفتر واقع جرنی سے مجھے ایک ٹیلی گراف موصول ہوا، جس میں مجھے فوری طور پر جرنی پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا۔ دل میں سوچا کہ شاید میرے کام اور محنت کے سبب میرا ادارہ میری تعریف اور ترقی کے لئے مجھے بلایا جا رہا ہوگا اور اس سلسلے میں میری ٹیم کو انعام و اکرام سے نوازنے کے لئے مجھے بلایا جا رہا ہے، تاہم ٹیلی گراف کے متن کو بغور دیکھ کر میرے تمام خیالات غلط ثابت ہوئے۔ مجھے کہا گیا تھا کہ آپ کو ایک مہینے

کے لیے برطانیہ بھیجا جا رہا ہے، جہاں پر مشن کی تکمیل کے حوالے سے مجھے خصوصی ٹریننگ دی جانی تھی، جسے صومالیہ کے مشن کے لئے نہایت ضروری بتایا گیا تھا۔

میں اس حکم سے انکار نہ کر سکا۔ اگرچہ میرا دل پوری طرح صومالیہ میں لگ چکا تھا۔ اس لئے پہلے جرمنی اور پھر برطانیہ چلا گیا۔ برطانیہ کے ایک مہینے کے خصوصی دورے کے بعد میں واپس جرمنی چلا آیا۔ مجھے صومالیہ واپسی کی بے چینی کھائے جا رہی تھی لیکن ایک لمبے عرصے کے انتظار کے بعد مجھے صومالیہ کے بجائے تنزانیہ جانے کا حکم دے دیا گیا۔ میں اس حکم پر انکار نہ کر سکا لیکن یہ خیال مجھے ستائے جا رہا تھا کہ کیا میں صومالیہ میں کامیابی سے محروم ہو گیا تھا اور کیا وہاں موجود میری ٹیم کو میری رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ بار بار خود سے سوال کرتا کہ آخر مجھے صومالیہ کے بجائے تنزانیہ کیوں بھیجا جا رہا ہے لیکن اس بار پھر اپنے اعلیٰ حکام سے بحث کرنے کے بجائے میں چپ چاپ تنزانیہ روانہ ہو گیا۔ قریباً چار ہفتے بعد جب میرے ادارے کے اعلیٰ حکام نے مجھ پر اندھا اعتماد شروع کر دیا تو مجھے حکم ملا کہ فوری طور پر واپس صومالیہ منتقل ہو جاؤں۔ یہ حکم ملتے ہی میری آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیز نہ لگے۔ پانچ سے زائد ماہ کی جدائی کے بعد میں واپس صومالیہ پہنچ گیا۔ مجھے اپنے درمیان

دیکھ کر صومالیوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اگر مبالغہ آرائی نہ کریں تو یہ کہنا درست ہوگا کہ گویا میری آمد ان کے لئے کسی سجا کی آمد سے کم نہ تھی۔ میں واپسی پر اپنے طبی مراکز پر لوٹ کر اپنی ٹیم کے ساتھ کام میں مشغول ہو گیا۔ محمد باہور نامی صومالی مسلمان مجھ سے زیادہ قریب تھا۔ ایک بار اس نے مجھے اپنے گھر میں دعوت دی، جہاں پر اس کے گھر والوں نے مجھے بہت عزت و تکریم دی۔ اس کے گھر میں ایک بوڑھے شخص سے ملا جو کہ انگریزی انتہائی روانی سے بول سکتا تھا۔ بزرگ محمد باہور کے والد تھے، انہیں پورے علاقے کے لوگ انتہائی عزت و تکریم دیتے تھے بلکہ اس علاقے میں محمد باہور کے والد کو ایک رہنما کی حیثیت حاصل تھی۔ باہور کے والد سے ملاقات پر میں دل ہی دل میں بہت خوش ہوا کہ میرے مشن کے آغاز اور تکمیل کے لئے ان سے کارآمد شخص کوئی اور نہ ہوگا، اگر میں نے انہیں قابو کر لیا تو پھر اس علاقے کے سیکڑوں ہزاروں لوگوں کو قابو کرنا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔ چنانچہ میں نے کسی انتظار کے بغیر فوراً ہی بات کرنے کی ٹھان لی۔ دل میں سوچا کہ اپنے مقصد کی بات کی شروعات مذہب سے کروں اور پھر آہستہ آہستہ انجیل اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی جانب بڑھوں۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر بھی ایسے ہی ایمان

رکھتے ہیں جیسے کہ آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھتے ہیں۔

اس سے قبل کہ میں اپنی بات کا آغاز کرتا، باہور کے والد نے قرآن پاک کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ میں اٹھا کر مجھ سے سوال کیا کہ کیا مجھے اس کتاب کے بارے میں معلوم ہے؟ میں نے جملی تبسم ہونٹوں پر پھیلا دیا اور اس خوف سے کہ کسی غلط بات پر ان کے مذہبی احساسات نہ بھڑک اٹھیں میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ باہور کے والد نے خاموشی توڑتے ہوئے بتایا کہ انجیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو بھی سوالات ذہن میں ہوں، ان سے پوچھوں، وہ مجھے اطمینان بخش جواب دے سکتے ہیں۔ میں نے تعجب کرتے ہوئے ان سے سوال کیا کہ آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہے تو اس پر انہوں نے بتایا کہ یہ تمام قرآن پاک میں موجود ہے۔ کچھ دیر بعد محفل درخواست ہوئی اور میں طبی مرکز واپس آ گیا۔ اس ملاقات کے بعد میں کئی دنوں تک اس سوچ بچار میں تھا کہ آخر اس شخص کے دماغ پر کیسے قابو پاؤں۔ مجھے معلوم تھا کہ اس بوڑھے رہنما کو ذہنی طور پر قابو کر لیا تو میرا کام (مسلمانوں کو مرتد بنانے کا) انتہائی آسان ہو جائے گا۔ اس ملاقات کے بعد باہور کے والد سے فیصلہ کن بحث مباحثے اور بات چیت کے لئے کئی دنوں تک خوب تیاری کی۔ مسلمانوں کو عیسائی

بنانے کی غرض سے مطالعے کے لیے کئی انگریزی کتب خریدیں اور خود کو مباحثے کے لئے تیار کرتا رہا۔ بالآخر محمد باہور کے والد سے بات چیت کا دن آ ہی گیا، اس دن میں بہت پریشان تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ گویا پرائمری کا ایک بچہ سخت امتحان سے گزر رہا ہو۔ پھر دل کو خود ہی تسلی دی کہ آخر میں کیونکر اتنا پریشان ہوں، یہ تو انتہائی آسان کام ہے، خود کو تسلی دیتے ہوئے میں اپنے طبی مرکز چلا گیا، اور وہاں سے فراغت کے بعد محمد باہور کو لے کر اس کے گھر چلا آیا۔

باہور کے والد سے ان کے گھر پر ہی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ سوال جواب کی ابتدا انہوں نے ہی کی۔ مجھ سے پوچھا کہ میرا نام کیا ہے، جس پر میں ”ڈاکٹر“ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

اس پر باہور کے والد نے بتایا کہ قرآن کریم نے انسان کی پیدائش اور اس کی بناوٹ کے تمام مراحل کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اس پر میں نے ایک دم پوچھا، وہ کیسے؟ انہیں گویا اس جملے کا انتظار تھا۔

انہوں نے اپنے دھمے اور بیٹھے لہجے میں انتہائی شستہ انگریزی کے ذریعے مجھے اس حوالے سے پوری معلومات فراہم کر دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کے لہجے اور زبان کی مٹھاس میرے دل میں اتر رہی تھی۔ قرآن کو دیکھنے پر میری حیرت میں اضافہ ہوا۔ اس کتاب میں انسانی جین اور بچے کی

نشوونما و پیدائش کے وہ تمام مرحلے تفصیلاً مذکور تھے، جنہیں ہم نے یونیورسٹی اور کالجوں میں پڑھا تھا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں اس کتاب میں ۱۴ سو سال قبل بیان کی گئی تھیں۔ اسی لئے میں یہ پڑھ کر انتہائی مرعوب ہوا بلکہ بوڑھے کا ہر لفظ مجھے روحانی طور پر تسکین دے رہا تھا۔

محمد باہور کے والد سے ملاقات کے بعد میں ذہنی طور پر کھٹکھٹ میں مبتلا ہو گیا۔ میرے دل اور دماغ میں طوفان برپا ہو گیا تھا، میں خوف اور دباؤ کے باعث رات بھر نہ سو سکا۔ بہت سوچ بچار کے بعد پہلے کی طرح خود کو تسلی دے کر سونے کی کوشش کی۔

بالآخر مجبور ہو کر میں نے بعض طبی مسائل کے حل کے لئے اپنی ٹیم ورکرز کے کام بڑھادیئے جب کہ خود میں نے تحقیقات اور مطالعے کے لئے وقت نکالا تاکہ اپنے مشن کی کامیابی کے لئے کوئی راستہ نکال سکوں۔

بار بار سوچتا کہ یقیناً مجھے صومالیہ اور یہاں کے لوگوں سے محبت ہے لیکن اپنے دین (عیسائیت) سے مجھے جنون کی حد تک محبت ہے تو کیوں نہ ان معصوم اور سچے لوگوں کو اپنے دین کی جانب بلاؤں۔

چند دنوں کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ محمد باہور کے والد سے ایک بار پھر ملوں تاہم میرے مطالعے سے قبل ہی محمد باہور نے مجھ سے تقاضا کیا کہ اگر میرے لئے ممکن ہو تو میں روزانہ اس کے گھر جا کر اس

کے والد سے مل لوں۔ محمد باہور نے بتایا کہ اس کے والد نے مجھ سے متاثر ہو کر روزانہ ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

پہلے تو میں ان کی اس درخواست پر بہت خوش ہوا کیونکہ یہی سب کچھ تو میں چاہتا تھا تاہم بعد ازاں دل میں سوچا کہ جب میں نے ان پر اب تک کوئی اثر ہی نہیں ڈالا ہے تو پھر ان سے مزید ملاقاتوں کے ذکر سے کیوں خوش ہو رہا ہوں۔ محمد باہور سے حامی بھرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اس بار گفتگو کا آغاز میں خود کروں گا اور گفتگو کے دوران پہلا وار بھی میرا ہی ہوگا۔

اپنی تمام ملاقاتوں کا تذکرہ کر کے پڑھنے والوں کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ پانچویں اور چھٹی ملاقات کے دوران میں بھی بوڑھے مسلمان کا پلڑا بھاری تھا۔ میں برملا اعتراف کرتا ہوں کہ ان سے تمام نشستوں کے دوران میں خود کو محاصرے میں سمجھتا تھا۔ باہور کے والد سے ملاقات سے قبل پوری تیاری کرتا لیکن سامنا ہونے پر ان کی صداقت، ایمان داری و سچائی پر مبنی تحلیل، تجزیے اور توضیحات مجھے روحانی طور پر شدید جھٹکا دیتے تھے۔ میری حالت یہ ہوتی کہ جیسے ایک بچہ استاد کے سامنے بیٹھ کر اس سے کچھ سیکھ رہا ہو۔

دوسری جانب جرمن ادارہ برائے عیسائی تبلیغ کے کارکنان پوری طرح سے مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ مجھے تو یہ بھی معلوم

نہیں تھا کہ انہوں نے پہلے ہی دن میرے
 محمد باہور کے گھر جانے کو بھی نوٹ کیا تھا۔
 آخر کار بات یہاں تک پہنچی کہ میرے ٹیم
 ورکرز میرے سامنے مزاحمت کرنے لگے۔
 انہوں نے مجھے وارننگ دی کہ آئندہ میں
 باہور کے گھر نہ جاؤں، دن بدن مجھ پر سختی
 ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ جرمنی سے مجھے حکم
 ملا کہ مس محمد باہور کے گھر نہ جاؤں اور پھر
 مجھے صومالیہ کے اس چھوٹے سے مقام سے
 دارالحکومت موغادیشو ٹرانسفر کر دیا گیا۔
 جرمن ادارے کے کارکنوں نے محمد باہور
 کے گھر والوں پر اس مقام سے کہیں اور منتقل
 ہونے کے لئے دباؤ ڈالا تھا۔ جرمن
 ادارے نے محمد باہور سے میرے تعلقات
 ختم کرنے میں کامیابی حاصل کی لیکن وہ
 میرے دل سے صومالیہ اور یہاں کے لوگوں
 کی محبت ختم نہ کر سکے۔ بہر کیف کچھ دن بعد
 میں اکثر رات کے پچھلے پہر چپکے سے ٹیکسی
 میں سوار ہو کر محمد باہور کے گھر چلا جاتا لیکن
 یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ میری
 جگہ تعینات نئی ٹیم کے سربراہ کو اس بات کی
 خبر ہو گئی اور پھر اس نے علاقے کے ایک
 سیکورٹی افسر کو میرے پیچھے لگا دیا جو کہ کئی
 دنوں تک مجھے منع کرتا رہا۔ آخر کار میں اس
 سیکورٹی اہلکار کو چمکے دینے میں کامیاب
 ہو گیا۔ بعد ازاں مجھے روکنے میں ناکامی پر
 سیکورٹی افسر نے محمد باہور کو گرفتار کر کے قید
 کر لیا۔ جس کا مجھے بہت افسوس ہوا اور

پولیس کو اس رویے پر میں بہت رویا۔
 اس کے بعد میں باہور کے والد سے
 مزید ملاقات نہیں کر سکتا تھا اور اسی بنا پر
 زیادہ مایوس ہو گیا تھا۔ میرا واحد ہدف یہی
 تھا کہ ان سے شروع کی جانے والی بحث کو
 منطقی انجام تک پہنچا دوں۔ حقیقت یہ ہے
 کہ اس بوڑھے کی باتوں سے میرے ذہن
 میں برپا ہونے والے طوفان کے خاتمے
 کے لئے ان سے مزید ملاقاتیں ضروری
 تھیں۔ اسی عرصے کے دوران مجھے میرے
 مرکزی دفتر واقع جرمنی سے ایک ٹیلی گرام
 کے ذریعے سے حکم دیا گیا کہ ضروری ڈیوٹی
 کے پیش نظر میں فوری طور پر کینیا پہنچ
 جاؤں۔ کینیا جانے سے قبل سیکورٹی افسر
 سے یہ کہہ کر محمد باہور کے علاقے میں چلا آیا
 کہ میری بعض دستاویزات وہاں رہ گئی
 ہیں۔ یہاں آتے ہی سیدھا محمد باہور کے
 گھر چلا گیا، اس بار ان کے گھر میں زیادہ
 خوشیاں دیکھنے کو ملیں۔ باہور کے والد نے
 بتایا کہ رمضان کا مہینہ شروع ہے، جس میں
 دین اسلام کا تیسرا اہم رکن روزہ رکھا جاتا
 ہے۔ صبح ہونے سے قبل میں نے ان کے
 ساتھ سحری کر لی اور پھر اذانوں کے بعد سبھی
 لوگوں کو مسجد کی جانب جاتے ہوئے دیکھا،
 پورا دن محمد باہور کے والد کے ساتھ گزارا اور
 ان کے دینی شعائر کے احترام کی بنا پر میں
 بھی پورا دن روزے سے رہا۔
 قصہ مختصر اعلیٰ احکام کے حکم کے

مطابق میں موغادیشو سے کینیا کے
 دارالحکومت نیروبی چلا گیا۔ نیروبی کے
 ایئر پورٹ پر وہاں کے مسلمان میرے
 استقبال کے لئے موجود تھے۔ میں ان سے
 پہلی بار مل رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے
 مطالبہ کیا کہ ہوٹل جانے سے قبل انہیں
 مسلمانوں میں سے ایک کے گھر کی دعوت
 قبول کر لوں جو کہ انہوں نے میری آمد سے
 قبل ہی ترتیب دی تھی۔

نیروبی میں کچھ عرصہ گزرنے کے بعد
 مرکزی آفس سے ایک دوسرے ٹیلی گراف
 کے ذریعے مجھے خبر دی گئی کہ سیکورٹی نقطہ نگاہ
 سے میں آئندہ صومالیہ کا نام بھی زبان پر نہ
 لاؤں۔ اس خبر پر مجھے شدید حیرانی ہوئی کہ
 آخر صومالیہ میں میری زندگی کو کیوں گھر خطرات
 لاحق ہیں۔ مجھے ٹیلی گراف میں یہ بھی کہا گیا
 تھا کہ اگر تمام احکامات کے باوجود میں نے
 صومالیہ جانے کی کوشش کی تو مجھے مرکزی
 آفس کے حکام کے شدید نوعیت کے رد عمل
 کا انتظار کرنا چاہئے۔ وہاں میرے والدین
 کو بھی غلط معلومات فراہم کی گئیں۔ ان کے
 ذہنوں کو میرے بارے میں مکمل طور پر
 تبدیل کر دیا گیا تھا۔ بالآخر مجھے میرے
 والد کی جانب سے بھی ایک ٹیلی گراف
 موصول ہوا، جس میں مجھے فوری طور پر
 جرمنی آنے کا حکم دیا گیا تھا۔ میرا ذہن
 منتشر تھا، میرے ذہن اور دل کو اطمینان
 بخش جواب دینے کے لیے کوئی بھی میرے

صومالیہ کا ایک شہری بن گیا۔ میرا نام عبدالجبار رکھا گیا اور اب مجھے کسی سے بھی ملنے سے کوئی منع نہیں کر سکتا تھا۔ آج اپنی سابقہ زندگی کو یاد کرتا ہوں کہ مجھے مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لئے صومالیہ بھیجا گیا تھا لیکن اللہ کے فضل و کرم سے میں خود اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔ صومالیہ کی شہریت حاصل کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ بحیثیت ڈاکٹر صومالیہ میں آنکھوں کے موذی مرض میں مبتلا لوگوں کا علاج کروں۔ چنانچہ آج میں پوری توجہ کے ساتھ اپنی خدمات انجام دے رہا ہوں، لیکن شکر کا مقام ہے کہ اس بار میں یہ خدمت اللہ کی رضا کے لیے انجام دے رہا ہوں۔ ○○

ہو جائے۔ صومالیہ جانے کے لئے میرے پاس رقم موجود نہ تھی۔ چنانچہ تن کے جوڑے کے علاوہ دیگر تمام چیزیں فروخت کر دیں اور موقعا دلشو چھیننے کے بعد سیدھا محمد باہور کے گھر چلا گیا۔ محمد باہور کے والد کو دیکھ کر السلام علیکم کہا، جس پر انہوں نے مجھے اپنی باہوں سمیٹ لیا اور میرے آنے پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔ اس دوران میں نے دہی آواز میں کلمہ شہادت پڑھا۔ اس کے بعد میرے پاس تفریح کے لئے کوئی وقت نہیں تھا۔ پورا پورا دن تلاوت قرآن اور احادیث پاک یاد کرنے میں صرف ہوتا، صومالیہ کے حکومتی اداروں نے میرے لئے صومالیہ میں قیام کی اجازت حاصل کر لی اور اس کے بعد میں بھی

پاس موجود نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے ہر پہلو پر خوب سوچ بچار شروع کر دیا، جرمنی پلٹ کر وہاں کی آرام دہ زندگی اور صومالیہ کے پیچیدہ حالات کے درمیان فرق تلاش کرنے لگا۔ اپنے دماغ میں ابھرنے والے سوالات کے جواب تلاش کرنے اور چینی کیفیت سے باہر نکلنے سمیت صومالی مسلمانوں کے شفاف اور صادق چہروں نے مجھے انتہائی فیصلہ کرنے پر مجبور کیا۔ مجھے محمد باہور کے والد سے ان تمام سوالات کے جوابات سننے تھے جو کہ طوفان بن کر میرے ذہن میں اٹھے تھے۔ چنانچہ انتہائی فیصلے سے قبل اللہ سے دعا کی کہ مجھے سیدھا راستہ دکھا دے، یہ کہہ کر میں نے قلم کاغذ لے کر اپنے جرمنی کے مرکزی آفس کو ٹیلی گراف میں لکھا۔ آپ لوگ مطمئن رہیں، میں نے پوری فکر اور تحقیق کے بعد اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور میں اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں جو آپ سے ہو سکتا ہے وہ آپ کر لیں، ڈاکٹر جی میشل کینیا۔

ہر طرح کے دوسوں سے نکلنے کی غرض سے اس متن کو فوری طور پر اپنے مرکزی آفس ٹیلی گراف کر دیا۔ ٹیلی گراف کرنے کے بعد مجھے انتہائی سکون حاصل ہوا۔ میں نے خوشی اور مسرت سے اپنے نیروبی کے دوستوں کو اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ کسی بھی قیمت پر صومالیہ ضرور جاؤں گا چاہے کچھ بھی

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کا سالانہ چندہ ختم ہو گیا ہے اور بعض لوگوں کا کئی سال کا بھایا ہے۔ ان سے گزارش ہے کہ جلد از جلد بتایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کر دیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔ رضوان کا سالانہ چندہ مبلغ -/300 روپے ہے۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲ بجے سے شام ۵ بجے تک فون پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔ دفتر کھلنے کا وقت ۱۲ بجے سے ۵ بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے : Mobile : 9415911511

معمولی حالات کے اندر اعلیٰ کامیابی

اس طرح بہت ہی وقت اور پریشانی کے ساتھ انہوں نے اسکول اور کالج و یونیورسٹی تک کی تعلیم مکمل کی اور دوسرے طالع یا پھیرے برادری کے تھے مالی حالت اچھی نہ ہونے کی وجہ سے اخبار راج کر اور ٹیوشن پڑھا کر اپنی تعلیم مکمل کی اور دنیا کے عظیم سائنس دانوں میں اپنا نام درج کرایا اور ہندوستان کا نام پوری دنیا میں روشن کیا۔ اور ایک وقت آیا کے بغیر ان کی ابنی غرضوں اور آرزو و تمنا کے ان کو ہندوستان کا صدر جمہوریہ منتخب کیا گیا۔ تاریخ میں ہزاروں ایسے واقعات ہیں جو کتابوں میں محفوظ ہیں۔ میں اپنے علاقہ کے ایک شخص سے واقف ہوں اب وہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں کہ غربت کی حالت میں انہوں نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ ایک عرصہ تک اسٹیشن پر اخبار فروخت کرتے رہے سیاسی جماعتوں سے بھی ربط و تعلق رہا اور قسمت آزمائی بھی کرتے رہے بڑے خواب اور عظیم جدوجہد اور جفاکشی کا انعام یہ ملا کہ دو بار ایم ایل اے کا انکیشن جیتے اور ایک ٹرم تک اقلیتی امور اور اوقاف کے وزیر بھی رہے ان کے نام کا لاحقہ ہی ایم ایل اے اور منسٹر صاحب تھا۔ معلوم یہ ہوا کہ بڑا انسان بننے کے لئے بڑا اور اعلیٰ خاندان اور مالدار فیملی ہونا شرط نہیں ہے۔ معمولی حیثیت کا انسان اور چھوٹے اور غریب خاندان کا فرد بھی بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ کے جدوجہد کی شرطوں کو پورا کرے بلکہ وہ لوگ زیادہ خوش قسمت ہیں

اس زمانہ میں یہ رقم بہت زیادہ تھی۔ مگر آئن سٹائن کی عظمت لوگوں کے دلوں پر اتنی قائم ہو چکی تھی کہ کوئی اس انعام کو حاصل کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ تاریخ میں اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اسی طرح بڑا انسان بننے کے لئے مال دار اور اہل ثروت خاندان اعلیٰ اور رائل فیملی کا ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ جو ہر ذاتی شوق و لگن اور منزل کو چھو لینے اور حدف تک پہنچ جانے کا بے پناہ جذبہ ضروری ہے۔ ہندوستان کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سیاست داں اور دوسرے ایک عظیم سائنس داں جو دونوں بعد میں ہندوستان کے سب سے اعلیٰ ترین عہدہ پر فائز ہوئے یعنی یہاں کے صدر جمہوریہ بنے معمولی خاندان اور فیملی سے ان دونوں کا تعلق تھا، ایک ڈیڑول کا سٹ تھے اور غربت کا حال یہ تھا کہ ناشتہ کر کے اسکول بھی کبھی نہیں جاسکتے تھے ان کی ماں کچھ چینی اور بھونا ساتھ دے دیتی تھیں وہی اسکول میں کھا لیتے تھے۔

پروفیسر ایڈٹ آئن سٹائن (۱۹۵۵ء-۱۸۷۹ء) نے بیسویں صدی کی سائنس میں عظیم انقلاب برپا کیا۔ مگر زندگی کا آغاز نہایت معمولی تھا۔ تین سال کی عمر تک وہ بولنا شروع نہ کر سکا۔ بظاہر وہ ایک معمولی باپ کا معمولی بچہ تھا۔ نو سال کی عمر تک وہ بالکل عام بچہ دکھائی دیتا تھا۔ اسکول کی تعلیم کے زمانہ میں ایک بار وہ اسکول سے خارج کر دیا گیا۔ کیونکہ اس کے استادوں کا خیال تھا کہ اپنی تعلیمی نااہلی کی وجہ سے وہ دوسرے طالب علموں پر برا اثر اتا ہے۔ مگر اس کے بعد اس نے محنت شروع کی تو وہ اس بلندی تک پہنچا جو موجودہ زمانہ میں بمشکل کسی دوسرے سائنس داں کو حاصل ہوا۔ اس کے بعد سے اس کی شہرت بڑھتی ہی چلی گئی وہ اکثر آدمی رات تک اپنے کام میں مشغول رہتا تھا۔ ۱۹۳۳ء میں اس نے ہٹلر کے جرمنی کو چھوڑ دیا تھا، ہٹلر کی حکومت نے اعلان کیا کہ جو شخص آئن سٹائن کا سرکٹ کر لائے گا اس کو ۲۰ ہزار مارک انعام دیا جائے گا

جس کو مشکل مواقع میں زندگی کا ثبوت دینا پڑے، کیونکہ مشکل حالات عمل کا محرک ہوتے ہیں، وہ آدمی کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو بھدرا کرتے ہیں، نیز زندگی کے بہترین سبق ہمیشہ مشکل حالات میں ملتے ہیں۔ اعلیٰ اور کامیاب انسان راحتوں میں نہیں بلکہ مشکلوں وقتوں اور پریشانیوں میں تیار ہوتا ہے۔ سچائی یہ ہے کہ خدا کی اس دنیا میں امکانات کی کوئی حد نہیں یہاں کسی کو اپنے عمل کے لئے معمولی آغاز ملے۔ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے جبکہ جبکہ مالی پریشانیوں کو جھیلنا پڑے تب بھی اس کو مایوس اور ناامید نہیں ہونا چاہیے معمولی اور مشکل و کٹھن حالات زندگی کا سب سے مضبوط زینہ اور سہارا ہیں۔ تاریخ کی اعلیٰ ترین کامیابیاں معمولی اور مشکل و کٹھن حالات کے اندر ہی سے برآمد ہوئے ہیں۔

آج یکم جنوری ہے نئے شش سال کا پہلا دن ہے آج سے ایک نئے سال کا آغاز کرنے جا رہے ہیں، ہم ملے کریں کہ آج ہی سے ہم اعلیٰ مقام اور ہدف کو پانے کے لئے عظیم جدوجہد کریں گے اور حالات و مشکلات کا ٹھکڑا شکایت کئے بغیر منزل کو چھو لینے اور ہدف تک پہنچنے کے لئے دن رات ایک کر دیں گے اور اس فہرست میں اپنا نام شامل کر لیں گے جو فہرست تاریخ کا ایک جز اور حصہ بن جاتی ہے۔ خدا ہمارے اندر وہ عزم اور حوصلہ پیدا کر دے جس کے بعد ناممکن بھی ممکن بن جاتا ہے۔

ایک مثالی زندگی

ابتدائی زندگی ہی سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی تربیت میں رہے، ان کی پوری تعلیم اور تربیت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی اور ہدایت میں ہوئی حتیٰ کہ اسی سانچہ میں ڈھل گئے جو حضرت مولانا کا بنایا ہوا تھا اور ان کے نظریات ان کے نظریات بن گئے اور دینی و دنیاوی امور میں وہ اپنے عظیم ماموں کا نمونہ بن گئے اور پوری زندگی اسی راہ پر گزاری۔

اپنے والدین کے سعادت مند فرزند اور ایک خدمت گزار بیٹے کی حیثیت سے اپنا وقت گزارا، اور اپنے برادر معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کے ساتھ ہر جمعرات کو بس یا ریل سے رائے بریلی جاتے اور جمعہ کی شام کو ندوہ واپس آتے تھے، اس معمول میں کبھی تاخیر نہ ہوتا، طبیعت کی خرابی بھی آڑے نہیں آتی، اپنے والد محترم کی وفات کے بعد برسوں والدہ جب تک حیات رہیں، یہ معمول جاری رہا، سخت سردی ہو یا سخت بارش، یا گرمی کی شدت ہو، اس میں تساہلی نہیں ہوتی۔ ان کی زندگی کے واقعات اور ان کی دینی و علمی خدمات پر دفتر کا دفتر لکھا جاسکتا ہے، لیکن ”تعمیر حیات“ کے صفحات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ چند سطریں تحریر ہیں، غفر اللہ لہ۔

ایک کمال سے اگلے کمال تک

پڑنے والے اس کے بدترین اثرات سے آگاہ کرنا تھا، لہذا چھوٹے ابا نے اپنے محاضرات و تحریرات اور تالیفات کے ذریعہ سے جدوجہد شروع کر دی، مغربی تہذیب و تمدن کا ناقدانہ جائزہ اور اسلامی تہذیب کے محاسن اور اس کے عمدہ نتائج کو تجزیاتی طور پر امت کے سامنے پیش کرنا آپ کا خاص میدان بن گیا تھا، یوں تو چھوٹے ابا ایک ماہر ادیب اور عظیم انشا پرداز کی حیثیت سے جانے جاتے تھے، لیکن جب قرآن و حدیث کی روشنی میں کچھ فرماتے تو یوں معلوم ہوتا کہ یہ کوئی بڑا مفسر یا محدث ہے جو امت کو علوم اسلامیہ سے آشنا کرانے کی تڑپ لئے ہوئے علماء ربانین کی ایک ایسی فوج ایک ایسی جماعت تیار کرنا چاہتا ہے جو امت کو فلاح و بہبودی کی جانب لے جائے اور ایک ایسا صاف و شفاف معاشرہ دنیا کے سامنے پیش کرے جو قرآن و حدیث کے موافق ہو، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کی عکاسی کرتا ہو، جو امت کو درپیش مسائل کے تصور سے نکال کر راہ رشد و ہدایت اور صراط مستقیم پر لے جائے۔

چھوٹے ابا نے علم و ادب کا ایسا چراغ روشن کیا جس نے اپنے نور سے ایک بڑے علمی حلقہ کو منور کیا، ۱۶ جنوری ۲۰۱۹ء کو چھوٹے ابا نے اس دار فانی کو الوداع دیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

हमारी हिन्दी पुस्तकें

किताब का नाम	लेखक	मूल्य
मन्सबे पैगम्बरी	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	100.00
नबियों के किस्से १, २	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	120.00
नबी-ए-रहमत	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	250.00
दस्तूरे हयात (जीवन का पथ-प्रदर्शक)	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	70.00
सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	70.00
भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	80.00
मदीने की डगर	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	70.00
मानवता का संदेश	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	50.00
मानवता का स्तर	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	50.00
जग के मोहसिन	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
अच्छे-अच्छे नाम अल्लाह के	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	25.00
इस्लाम मुकम्मल दीन मुस्तकिल....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
निशाने राह	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
नारी की प्रतिष्ठा और उसके.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
हिन्दुस्तानी मुसलमानों से साफ.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
इस्लाम एक परिचय	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	40.00
नौजवानों के नाम	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
इस्लाम क्या है?	मौलाना मनज़ूर नोमानी	60.00
आदर्श शासक	मौलाना अब्दुससलाम क़िदवाई नदवी	35.00
तूफान से साहिल तक	मोहम्मद असद	50.00
समान सिविल कोड	मौलाना सैय्यद मोहम्मद राबे हसनी नदवी	10.00
मुहम्मद सल्लल्लाहु अलैहि वसल्लम	मौलाना सैय्यद मोहम्मद राबे हसनी नदवी	250.00
तोहफ-ए-रमज़ान	मौलाना सैय्यद मोहम्मद राबे हसनी नदवी	40.00
हमारे हुज़ूर	अब्दुल्लाह तसनीम	20.00
इस्लाम और इस्लामी.....	मौलाना इलियास नदवी भटकली	35.00
सीरत सुलतान टीपू शहीद	मौलाना इलियास नदवी भटकली	220.00
Total		1705.00
Rate After Disc & Includign Postal Charges		900.00

मजलिस तहकीक़ात व नशरियाते इस्लाम

पो० ब० न०: 93- नदवा कैम्पस नदवदुलउलमा, लखनऊ

फोन न० : 0522.2741539

मोबाइल न० : 9889378176

ई-मेल : airpnadwa@gmail.com